ٹائیٹل طبع اوّل

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ!

رسید مژده ز غیبم که من همان مردم — که او مجدد این دین و رهنما باشد
منم مسیح ببانگِ بلند مے گویم — منم خلیفه شاہے که بر سما باشد
چنیں زمانہ چنیں دور ایں چنیں برکات — تو بے نصیب روی وه چہ ایں شقا باشد
سیاه باد رُخِ بخت من اگر به دلم — دگر غرض بجز از یار آشنا باشد

خدا کے مُرسل

حضرت مسیح موعود و مہدی معہود

عالیجناب میرزا غلام احمد صاحب قادیانی

کا لیکچر موسومہ بہ

اسلام

جو ۲ نومبر سنہ ۱۹۰۴ء کو بمقام سیالکوٹ ایک عظیم الشان جلسہ میں پڑھا گیا

جسکو

چوہدری مولابخش صاحب احمدی بھٹی نائب محافظ دفتر ضلع سیالکوٹ نے
مفید عام پریس سیالکوٹ میں چھپوا کر شائع کیا
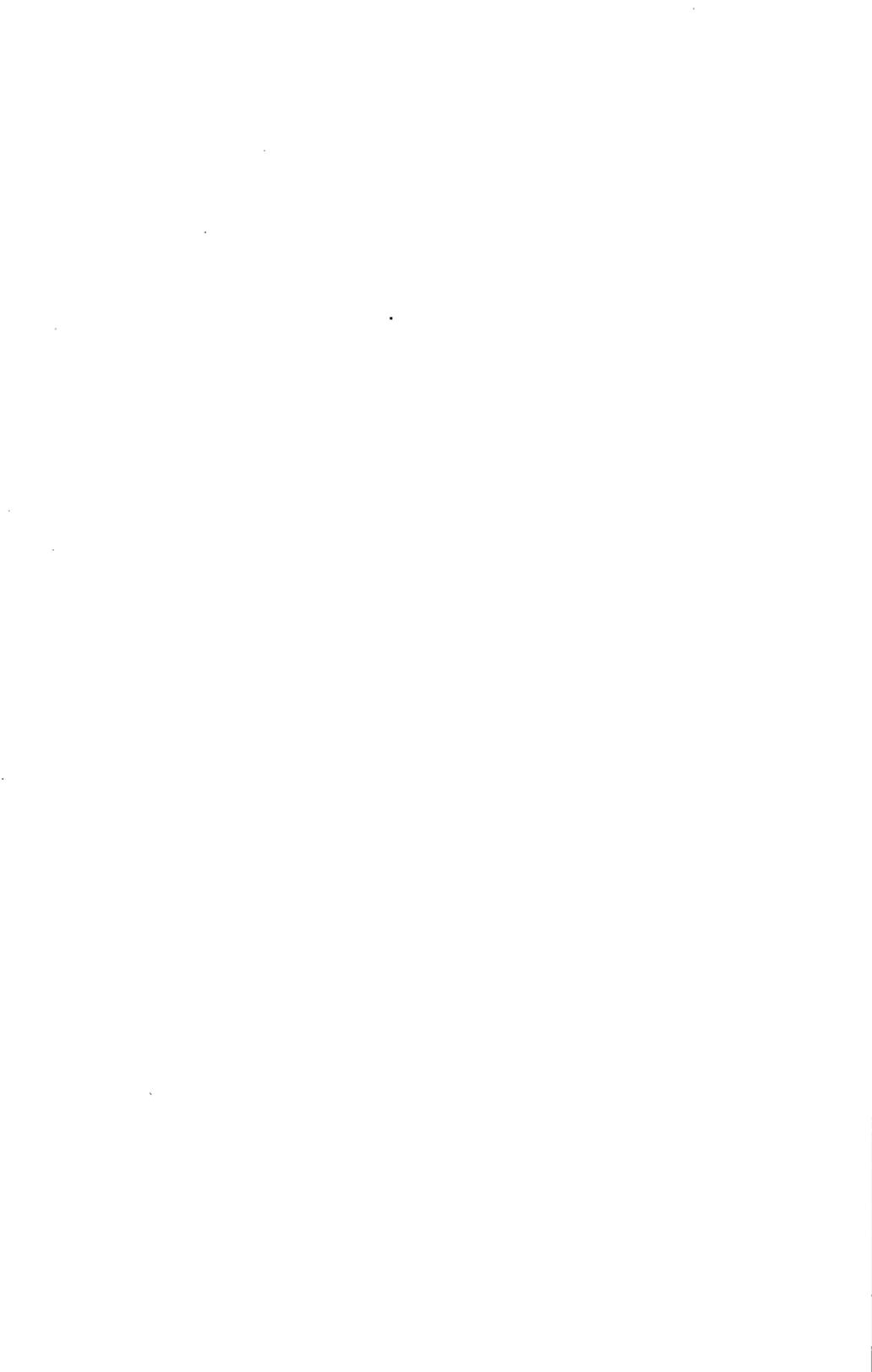
بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

اسلام

دنیا کے مذاہب پر اگر نظر کی جاوے تو معلوم ہوگا کہ بجز اسلام ہر ایک مذہب اپنے اندر کوئی نہ کوئی غلطی رکھتا ہے۔ اور یہ اس لئے نہیں کہ درحقیقت وہ تمام مذاہب ابتداء سے جھوٹے ہیں بلکہ اس لئے کہ اسلام کے ظہور کے بعد خدا نے ان مذاہب کی تائید چھوڑ دی اور وہ ایسے باغ کی طرح ہوگئے جس کا کوئی باغبان نہیں۔ اور جس کی آبپاشی اور صفائی کے لئے کوئی انتظام نہیں۔ اس لئے رفتہ رفتہ اُن میں خرابیاں پیدا ہوگئیں۔ تمام پھلدار درخت خشک ہوگئے۔ اور ان کی جگہ کانٹے اور خراب بوٹیاں پھیل گئیں اور روحانیت جو مذہب کی جڑھ ہوتی ہے وہ بالکل جاتی رہی اور صرف خشک الفاظ ہاتھ میں رہ گئے۔ مگر خدا نے اسلام کے ساتھ ایسا نہ کیا۔ اور چونکہ وہ چاہتا تھا کہ یہ باغ ہمیشہ سرسبز رہے اس لئے اُس نے ہر یک صدی پر اس باغ کی نئے سرے آبپاشی کی اور اس کو خشک ہونے سے بچایا اگرچہ ہر صدی کے سر پر جب کبھی کوئی بندۂ خدا اصلاح کے لئے قائم ہوا جاہل لوگ اس کا مقابلہ کرتے رہے اور اُن کو سخت ناگوار گذرا کہ کسی ایسی غلطی کی اصلاح ہو جو اُن کی رسم اور عادت میں داخل ہو چکی ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اپنی سنّت کو نہ چھوڑا یہاں تک کہ آخری زمانہ میں جو ہدایت اور ضلالت کا آخری جنگ ہے خدا نے چودھویں صدی اور الف آخر کے سر پر مسلمانوں کو غفلت میں پاکر پھر اپنے عہد کو یاد کیا۔ اور دین اسلام کی تجدید فرمائی۔ مگر دوسرے دینوں کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

ص۲

یہ تجدید کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ اِس لئے وہ سب مذہب مر گئے۔ اُن میں روحانیت باقی نہ رہی اور بہت سی غلطیاں اُن میں ایسی جم گئیں کہ جیسے بہت مستعمل کپڑے پر جو کبھی دھویا نہ جائے میل جم جاتی ہے۔ اور ایسے انسانوں نے جن کو روحانیت سے کچھ بہرہ نہ تھا اور جن کے نفسِ امّارہ سفلی زندگی کی آلائشوں سے پاک نہ تھے اپنی نفسانی خواہشوں کے مطابق اُن مذاہب کے اندر بے جا دخل دے کر ایسی صورت اُن کی بگاڑ دی کہ اب وہ کچھ اَور ہی چیز ہیں۔ مثلاً عیسائیت کے مذہب کو دیکھو کہ وہ ابتداء میں کیسے پاک اُصول پر مبنی تھا۔ اور جس تعلیم کو حضرت مسیح علیہ السلام نے پیش کیا تھا اگرچہ وہ تعلیم قرآنی تعلیم کے مقابل پر ناقص تھی کیونکہ ابھی کامل تعلیم کا وقت نہیں آیا تھا اور کمزور استعدادیں اس لائق بھی نہ تھیں تاہم وہ تعلیم اپنے وقت کے مناسب حال نہایت عُمدہ تعلیم تھی۔ وہ اُسی خدا کی طرف رہنمائی کرتی تھی جس کی طرف توریت نے رہنمائی کی لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد مسیحیوں کا خدا ایک اَور خدا ہوگیا جس کا توریت کی تعلیم میں کچھ بھی ذکر نہیں۔ اور نہ بنی اسرائیل کو اس کی کچھ بھی خبر ہے۔ اس نئے خدا پر ایمان لانے سے تمام سلسلہ توریت کا اُلٹ گیا۔ اور گناہوں سے حقیقی نجات اور پاکیزگی حاصل کرنے کیلئے جو ہدایتیں توریت میں تھیں وہ سب درہم برہم ہوگئیں۔ اور تمام مدار گناہ سے پاک ہونے کا اِس اقرار پر آگیا کہ حضرت مسیح نے دنیا کو نجات دینے کے لئے خود صلیب قبول کی اور وہ خدا ہی تھے اور نہ صرف اِسی قدر بلکہ توریت کے اور کئی ابدی احکام توڑ دیئے گئے اور عیسائی مذہب میں ایک ایسی تبدیلی واقع ہوئی کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام خود بھی دوبارہ تشریف لے آویں تو وہ اس مذہب کو شناخت نہ کرسکیں۔ نہایت حیرت کا مقام ہے کہ جن لوگوں کو تورات کی پابندی کی سخت تاکید تھی انہوں نے یکلخت تورات کے احکام کو چھوڑ دیا۔ مثلاً انجیل میں کہیں حکم نہیں کہ تورات میں تو سؤر حرام ہے اور مَیں تم پر حلال کرتا ہوں۔ اور توریت میں تو ختنہ کی تاکید ہے اور مَیں ختنہ کا حکم منسوخ کرتا ہوں

ص۳

پھر کب جائز تھا کہ جو باتیں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے منہ سے نہیں نکلیں وہ مذہب کے اندر داخل کر دی جائیں۔ لیکن چونکہ ضرور تھا کہ خدا ایک عالمگیر مذہب یعنی اسلام دنیا میں قائم کرے اس لئے عیسائیت کا بگڑنا اسلام کے ظہور کے لئے بطور ایک علامت کے تھا۔ یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ اسلام کے ظہور سے پہلے ہندو مذہب بھی بگڑ چکا تھا۔ اور تمام ہندوستان میں عام طور پر بُت پرستی رائج ہو چکی تھی اور اسی بگاڑ کے یہ آثار باقیہ ہیں کہ وہ خدا جو اپنی صفات کے استعمال میں کسی مادہ کا محتاج نہیں اب آریہ صاحبوں کی نظر میں وہ پیدائش مخلوقات میں ضرور مادہ کا محتاج ہے۔ اس فاسد عقیدہ سے اُن کو ایک دوسرا فاسد عقیدہ بھی جو شرک سے بھرا ہوا ہے قبول کرنا پڑا۔ یعنی یہ کہ تمام ذرّاتِ عالم اور تمام ارواح قدیم اور انادی ہیں۔ مگر افسوس کہ اگر وہ ایک نظر غائر خدا کی صفات پر ڈالتے تو ایسا کبھی نہ کہہ سکتے۔ کیونکہ اگر خدا پیدا کرنے کی صفت میں جو اسکی ذات میں قدیم سے ہے انسان کی طرح کسی مادہ کا محتاج ہے تو کیا وجہ کہ وہ اپنی صفت شنوائی اور بینائی وغیرہ میں انسان کی طرح کسی مادہ کا محتاج نہیں۔ انسان بغیر توسط ہوا کے کچھ سُن نہیں سکتا اور بغیر توسط روشنی کے کچھ دیکھ نہیں سکتا۔ پس کیا پرمیشر بھی ایسی کمزوری اپنے اندر رکھتا ہے؟ اور وہ بھی سُننے اور دیکھنے کے لئے ہوا اور روشنی کا محتاج ہے؟ پس اگر وہ ہوا اور روشنی کا محتاج نہیں تو یقیناً سمجھو کہ وہ صفت پیدا کرنے میں بھی کسی مادہ کا محتاج نہیں۔ یہ منطق سراسر جھوٹ ہے کہ خدا اپنی صفات کے اظہار میں کسی مادہ کا محتاج ہے۔ انسانی صفات کا خدا پر قیاس کرنا کہ نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی۔ اور انسانی کمزوریوں کو خدا پر جمانا بڑی غلطی ہے انسان کی ہستی محدود اور خدا کی ہستی غیر محدود ہے۔ پس وہ اپنی ہستی کی قوت سے ایک اور ہستی پیدا کر لیتا ہے۔ یہی تو خدائی ہے۔ اور وہ اپنی کسی صفت میں مادہ کا محتاج نہیں ہے ورنہ وہ خدا نہ ہو۔ کیا اس کے کاموں میں کوئی روک ہو سکتی ہے؟ اور اگر مثلاً چاہے کہ ایک دم میں زمین و آسمان پیدا کر دے تو کیا وہ پیدا نہیں کر سکتا؟

۲۰

ہندوؤں میں جو لوگ علم کے ساتھ روحانیت کا بھی حصہ رکھتے تھے اور نری خشک منطق میں گرفتار نہ تھے کبھی ان کا یہ عقیدہ نہیں ہوا جو آجکل پرمیشر کی نسبت آریہ صاحبان نے پیش کیا ہے۔ یہ سراسر عدم روحانیت کا نتیجہ ہے۔

غرض یہ تمام بگاڑ کہ ان مذاہب میں پیدا ہو گئے جن میں سے بعض ذکر کے بھی قابل نہیں اور جو وہ انسانی پاکیزگی کے بھی مخالف ہیں یہ تمام علامتیں ضرورتِ اسلام کے لئے تھیں ایک عقلمند کو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اسلام سے کچھ دن پہلے تمام مذاہب بگڑ چکے تھے اور روحانیت کھو چکے تھے۔ پس ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم اظہار سچائی کیلئے ایک مجدّدِ اعظم تھے جو گم گشتہ سچائی کو دوبارہ دنیا میں لائے۔ اس فخر میں ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی بھی نبی شریک نہیں کہ آپ نے تمام دنیا کو ایک تاریکی میں پایا اور پھر آپ کے ظہور سے وہ تاریکی نور سے بدل گئی جس قوم میں آپ ظاہر ہوئے آپ فوت نہ ہوئے جبتک کہ اس تمام قوم نے شرک کا چولہ اُتار کر توحید کا جامہ نہ پہن لیا اور نہ صرف اسقدر بلکہ وہ لوگ اعلیٰ مراتبِ ایمان کو پہنچ گئے اور وہ کام صدق اور وفا اور یقین کے اُن سے ظاہر ہوئے کہ جس کی نظیر دنیا کے کسی حصہ میں پائی نہیں جاتی۔ یہ کامیابی اور اس قدر کامیابی کسی نبی کو بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نصیب نہیں ہوئی۔ یہی ایک بڑی دلیل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ہے کہ آپ ایک ایسے زمانہ میں مبعوث اور تشریف فرما ہوئے جبکہ زمانہ نہایت درجہ کی ظلمت میں پڑا ہوا تھا۔ اور طبعًا ایک عظیم الشان مصلح کا خواستگار تھا۔ اور پھر آپ نے ایسے وقت میں دنیا سے انتقال فرمایا جبکہ لاکھوں انسان شرک اور بُت پرستی کو چھوڑ کر توحید اور راہِ راست اختیار کر چکے تھے۔ اور درحقیقت یہ کامل اصلاح آپ ہی سے مخصوص تھی کہ آپ نے ایک قوم وحشی سیرت اور بہائم خصلت کو انسانی عادات سکھلائے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ بہائم کو انسان بنایا اور پھر انسانوں سے تعلیم یافتہ انسان بنایا۔ اور پھر تعلیم یافتہ انسانوں سے با خدا انسان بنایا اور

روحانیت کی کیفیت اُن میں پھونک دی اور سچے خدا کے ساتھ ان کا تعلق پیدا کر دیا۔ وہ خدا کی راہ میں بکریوں کی طرح ذبح کئے گئے۔ اور چیونٹیوں کی طرح پیروں میں کچلے گئے مگر ایمان کو ہاتھ سے نہ دیا۔ بلکہ ہر ایک مصیبت میں آگے قدم بڑھایا۔ پس بلاشبہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم روحانیت قائم کرنے کے لحاظ سے آدم ثانی تھے۔ بلکہ حقیقی آدم وہی تھے جن کے ذریعہ اور طفیل سے تمام انسانی فضائل کمال کو پہنچے اور تمام نیک قوتیں اپنے اپنے کام میں لگ گئیں اور کوئی شاخ فطرت انسانی کی بے بار و بر نہ رہی۔ اور ختم نبوت آپ پر نہ صرف زمانہ کے تاخر کی وجہ سے ہُوا بلکہ اس وجہ سے بھی کہ تمام کمالات نبوت آپ پر ختم ہو گئے۔ اور چونکہ آپ صفاتِ الٰہیہ کے مظہر اتم تھے اس لئے آپ کی شریعت صفاتِ جلالیہ وجمالیہ دونوں کی حامل تھی۔ اور آپ کے دو نام محمد اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی غرض سے ہیں۔ اور آپ کی نبوت عامہ میں کوئی حصہ بخل کا نہیں۔ بلکہ وہ ابتداء سے تمام دنیا کے لئے ہے۔ اور ایک اور دلیل آپ کے ثبوت نبوت پر یہ ہے کہ تمام نبیوں کی کتابوں سے اور ایسا ہی قرآن شریف سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے آدم سے لیکر اخیر تک دنیا کی عمر سات ہزار برس رکھی ہے اور ہدایت اور گمراہی کے لئے ہزار ہزار سال کے دَور مقرر کئے ہیں۔ یعنی ایک وہ دَور ہے جس میں ہدایت کا غلبہ ہوتا ہے اور دوسرا وہ دَور ہے جس میں ضلالت اور گمراہی کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ مَیں نے بیان کیا خدا تعالیٰ کی کتابوں میں یہ دونوں دَور ہزار ہزار برس پر تقسیم کئے گئے ہیں۔ اوّل دَور ہدایت کے غلبہ کا تھا۔ اس میں بُت پرستی کا نام و نشان نہ تھا۔ جب یہ ہزار سال ختم ہُوا تب دوسرے دَور میں جو ہزار سال کا تھا طرح طرح کی بُت پرستیاں دنیا میں شروع ہو گئیں اور شرک کا بازار گرم ہو گیا اور ہر ایک ملک میں بت پرستی نے جگہ لے لی۔ پھر تیسرا دَور جو ہزار سال کا تھا اس میں توحید کی بنیاد ڈالی گئی اور جس قدر خدا نے چاہا دنیا میں توحید پھیل گئی۔ پھر ہزار چہارم کے دَور میں ضلالت نمودار ہوئی۔ اور اسی ہزار چہارم میں سخت درجہ پر

ص۶ ص۷

بنی اسرائیل بگڑ گئے۔ اور عیسائی مذہب تخم ریزی کے ساتھ ہی خشک ہوگیا۔ اور اُس کا پیدا ہونا اور مرنا گویا ایک ہی وقت میں ہُوا۔ پھر ہزار پنجم کا دَور آیا جو ہدایت کا دَور تھا۔ یہ وہ ہزار ہے جس میں ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر توحید کو دوبارہ دنیا میں قائم کیا۔ پس آپ کے منجانب اللہ ہونے پر یہی ایک نہایت زبردست دلیل ہے کہ آپ کا ظہور اُس ہزار کے اندر ہُوا جو روز ازل سے ہدایت کے لئے مقرر تھا۔ اور یہ مَیں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ خدا تعالےٰ کی تمام کتابوں سے یہی نکلتا ہے اور اسی دلیل سے میرا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا بھی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس تقسیم کی رُو سے ہزار ششم ضلالت کا ہزار ہے اور وہ ہزار ہجرت کی تیسری صدی کے بعد شروع ہوتا ہے اور چودھویں صدی کے سر تک ختم ہوتا ہے۔ اِس ششم ہزار کے لوگوں کا نام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فیج اعوج رکھا ہے اور ساتواں ہزار ہدایت کا ہے جس میں ہم موجود ہیں۔ چونکہ یہ آخری ہزار ہے اس لئے ضرور تھا کہ امام آخر الزمان اس کے سر پر پیدا ہو۔ اور اس کے بعد کوئی امام نہیں اور نہ کوئی مسیح مگر وہ جو اس کے لئے بطور ظل کے ہو۔ کیونکہ اس ہزار میں اب دنیا کی عمر کا خاتمہ ہے جس پر تمام نبیوں نے شہادت دی ہے۔ اور یہ امام جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مسیح موعود کہلاتا ہے وہ مجدّد صدی بھی ہے اور مجدّد الف آخر بھی۔ اِس بات میں نصاریٰ اور یہود کو بھی اختلاف نہیں کہ آدم سے یہ زمانہ ساتواں ہزار ہے۔ اور خدا نے جو سورہ والعصر کے اعداد سے تاریخ آدم میرے پر ظاہر کی اس سے بھی یہ زمانہ جس میں ہم ہیں ساتواں ہزار ہی ثابت ہوتا ہے۔ اور نبیوں کا اس پر اتفاق تھا کہ مسیح موعود ساتویں ہزار کے سر پر ظاہر ہوگا اور چھٹے ہزار کے اخیر میں پیدا ہوگا کیونکہ وہ سب سے آخر ہے جیسا کہ آدم سب سے اوّل تھا۔ اور آدم چھٹے دن جمعہ کی اخیر ساعت میں پیدا ہُوا۔ اور چونکہ خدا کا ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہے اِس

مشابہت سے خدا نے مسیح موعود کو ششم ہزار کے اخیر میں پیدا کیا۔ گویا وہ بھی دن کی آخری گھڑی ہے۔ اور چونکہ اوّل اور آخر میں ایک نسبت ہوتی ہے اس لئے مسیح موعود کو خدا نے آدم کے رنگ پر پیدا کیا۔ آدم جوڑا پیدا ہوا تھا۔ اور بروز جمعہ پیدا ہوا تھا۔ اسی طرح یہ عاجز بھی جو مسیح موعود ہے جوڑا پیدا ہوا اور بروز جمعہ پیدا ہوا۔ اور اس طرح پیدائش تھی کہ پہلے ایک لڑکی پیدا ہوئی پھر اس کے عقب میں یہ عاجز پیدا ہوا۔ اس طرح کی پیدائش ختم ولایت کی طرف اشارہ کرتی ہے بغرض یہ تمام نبیوں کی متفق علیہ تعلیم ہے کہ مسیح موعود ہزار ہفتم کے سر پر آئیگا۔ اسی وجہ سے گذشتہ سالوں میں عیسائی صاحبوں میں بہت شور اٹھا تھا اور امریکہ میں اس مضمون پر کئی رسالے شائع ہوئے تھے کہ مسیح موعود نے اسی زمانہ میں ظاہر ہونا تھا کیا وجہ کہ وہ ظاہر نہ ہوا۔ بعض نے ماتمی رنگ میں یہ جواب دیا تھا کہ اب وقت گذر گیا۔ کلیسیا کو ہی اس کے قائم مقام سمجھ لو۔ القصّہ میری سچائی پر یہ ایک دلیل ہے کہ میں نبیوں کے مقرر کردہ ہزار میں ظاہر ہوا ہوں۔ اور اگر اَور کوئی بھی دلیل نہ ہوتی تو یہی ایک دلیل روشن تھی جو طالب حق کے لئے کافی تھی کیونکہ اگر اس کو ردّ کر دیا جائے تو خدا تعالیٰ کی تمام کتابیں باطل ہوتی ہیں جن کو الٰہی کتابوں کا علم ہے اور جو ان میں غور کرتے ہیں اُن کے لئے یہ ایک ایسی دلیل ہے جیسا کہ ایک روزِ روشن اس دلیل کے ردّ کرنے سے تمام نبوتیں ردّ ہوتی ہیں۔ اور تمام حساب درہم برہم ہو جاتا ہے اور الٰہی تقسیم کا شیرازہ بگڑ جاتا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے جو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قیامت کا کسی کو علم نہیں۔ پھر آدم سے اخیر تک سات ہزار سال کیونکر مقرر کر دیئے جائیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کبھی خدا تعالیٰ کی کتابوں میں صحیح طور پر فکر نہیں کیا۔ مَیں نے آج یہ حساب مقرر نہیں کیا یہ تو قدیم سے محققین اہل کتاب میں مسلّم چلا آیا ہے۔ یہانتک کہ یہودی فاضل بھی اس کے قائل رہے ہیں۔ اور قرآن شریف سے بھی صاف طور پر یہی نکلتا ہے کہ آدم سے اخیر تک عمر بنی آدم کی سات ہزار سال ہے اور ایسا ہی

پہلی تمام کتابیں بھی باتفاق یہی کہتی ہیں اور آیت اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ[1] سے بھی یہی نکلتا ہے۔ اور تمام نبی واضح طور پر یہی خبر دیتے آئے ہیں۔ اور جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں سورۃ والعصر کے اعداد سے بھی یہی صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آدم سے الف پنجم میں ظاہر ہوئے تھے۔ اور اس حساب سے یہ زمانہ جس میں ہم ہیں ہزار ہفتم ہے جس بات کو خدا نے اپنی وحی سے ہم پر ظاہر کیا اس سے ہم انکار نہیں کر سکتے اور نہ ہم کوئی وجہ دیکھتے ہیں کہ خدا کے پاک نبیوں کے متفق علیہ کلمہ سے انکار کریں۔ پھر جبکہ اسقدر ثبوت موجود ہے اور بلاشبہ احادیث اور قرآن شریف کے رو سے یہ آخری زمانہ ہے۔ پھر آخری ہزار ہونے میں کیا شک رہا۔ اور آخری ہزار کے سر پر مسیح موعود کا آنا ضروری ہے۔ اور یہ جو کہا گیا کہ قیامت کی گھڑی کا کسی کو علم نہیں۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ کسی وجہ سے بھی علم نہیں۔ اگر یہی بات ہے تو پھر آثارِ قیامت جو قرآن شریف اور احادیث صحیحہ میں لکھے گئے ہیں وہ بھی قابل قبول نہیں ہونگے کیونکہ ان کے ذریعہ سے بھی قرب قیامت کا ایک علم حاصل ہوتا ہے۔ خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں لکھا تھا کہ آخری زمانہ میں زمین پر بکثرت نہریں جاری ہونگی۔ کتابیں بہت شائع ہونگی جن میں اخبار بھی شامل ہیں اور اونٹ بے کار ہو جائینگے۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سب باتیں ہمارے زمانہ میں پوری ہو گئیں اور اونٹوں کی جگہ ریل کے ذریعہ سے تجارت شروع ہو گئی۔ سو ہم نے سمجھ لیا کہ قیامت قریب ہے۔ اور خود مدت ہوئی کہ خدا نے آیت اقتربت الساعۃ[2] اور دوسری آیتوں میں قرب قیامت کی ہمیں خبر دے رکھی ہے۔ سو شریعت کا یہ مطلب نہیں کہ قیامت کا وقوع ہر ایک پہلو سے پوشیدہ ہے بلکہ تمام نبی آخری زمانہ کی علامتیں لکھتے آئے ہیں اور انجیل میں بھی لکھی ہیں۔ پس مطلب یہ ہے کہ اس خاص گھڑی کی کسی کو خبر نہیں خدا قادر ہے کہ ہزار سال گذرنے کے بعد چند صدیاں اور بھی زیادہ کر دے کیونکہ کسر شمار میں نہیں آتی۔

[1] الحج: ۴۸ [2] القمر: ۲

جیسا کہ حمل کے دن بعض وقت کچھ زیادہ ہو جاتے ہیں۔ دیکھو! اکثر بچے جو دنیا میں پیدا ہوتے ہیں وہ اکثر نو مہینے اور دس دن کے اندر پیدا ہو جاتے ہیں لیکن پھر بھی کہا جاتا ہے کہ اس گھڑی کی کسی کو خبر نہیں۔ جب کہ درد زہ شروع ہو گا۔ اسی طرح دنیا کے خاتمے پر گو اب ہزار سال باقی ہے لیکن اس گھڑی کی خبر نہیں جب قیامت قائم ہو جائیگی۔ جن دلائل کو خدا نے امامت اور نبوت کے ثبوت کے لئے پیش کیا ہے اُن کو ضائع کرنا گویا اپنے ایمان کو ضائع کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ قرب قیامت پر تمام علامتیں بھی جمع ہو گئی ہیں اور زمانہ میں ایک انقلاب عظیم مشہود ہو رہا ہے اور وہ علامتیں جو قربِ قیامت کے لئے خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں بیان فرمائی ہیں اکثر اُن میں سے ظاہر ہو چکی ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرب قیامت کے زمانہ میں زمین پر اکثر نہریں جاری ہو جائیں گی اور بکثرت کتابیں شائع ہونگی پہاڑ اُڑا دیئے جائیں گے۔ دریا خشک کر دیئے جائیں گے۔ اور زراعت کے لئے زمین بہت آباد ہو جائے گی۔ اور ملاقاتوں کے لئے راہیں کھل جائیں گی۔ اور قوموں میں مذہبی شور و غوغا بہت پیدا ہو گا اور ایک قوم دوسری قوم کے مذہب پر ایک موج کی طرح ٹوٹ پڑے گی تا اُن کو بالکل نابود کر دے۔ انہی دنوں میں آسمانی قرنا اپنا کام دکھلائیگی اور تمام قومیں ایک ہی مذہب پر جمع کی جائیں گی بجز ان ردّی طبیعتوں کے جو آسمانی دعوت کے لائق نہیں۔ یہ خبر جو قرآن شریف میں لکھی ہے مسیح موعود کے ظہور کی طرف اشارہ ہے۔ اور اسی وجہ سے یاجوج ماجوج کے تذکرہ کے نیچے اس کو لکھا ہے۔ اور یاجوج ماجوج دو قومیں ہیں جن کا پہلی کتابوں میں ذکر ہے۔ اور اس نام کی یہ وجہ ہے کہ وہ اجیج سے یعنی آگ سے بہت کام لیں گی۔ اور زمین پر ان کا بہت غلبہ ہو جائیگا۔ اور ہر ایک بلندی کی مالک ہو جائیں گی۔ تب اُسی زمانہ میں آسمان سے ایک بڑی تبدیلی کا انتظام ہو گا اور صلح اور آشتی کے دن ظاہر ہونگے۔ ایسا ہی قرآن شریف میں لکھا ہے کہ ان دنوں میں زمین سے بہت سی کانیں اور مخفی چیزیں نکلیں گی۔ اور ان دنوں میں آسمان پر کسوف و خسوف ہو گا۔ اور

زمین پر طاعون بہت پھیل جائیگی۔ اور اونٹ بے کار ہو جائیں گے۔یعنی ایک اور سواری نکلیگی جو اونٹوں کو بے کار کر دے گی۔جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام کاروبار تجارتی جو کہ پہلے اونٹوں کے ذریعہ سے چلتے تھے اب ریل کے ذریعہ سے چلتے ہیں۔ اور وہ وقت قریب ہے کہ حج کرنے والے بھی ریل کی سواری میں مدینہ منوّرہ کی طرف سفر کرینگے اور اس روز اس حدیث کو پورا کر دیں گے جس میں لکھا ہے کہ ولیترکن القلاص فلا یسعٰی علیھا۔

پس جبکہ آخری دنوں کے لئے یہ علامتیں ہیں جو پورے طور پر ظاہر ہو چکی ہیں تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کے دَوروں میں سے یہ آخری دَور ہے۔اور جیسا کہ خدا نے سات دن پیدا کئے ہیں اور ہر ایک دن کو ایک ہزار سال سے تشبیہ دی ہے اس تشبیہ سے دنیا کی عمر سات ہزار ہونا نصِّ قرآنی سے ثابت ہے۔ اور نیز خدا وتر ہے اور وتر کو دوست رکھتا ہے اور اس نے جیسا کہ سات دن وتر پیدا کئے ایسا ہی سات ہزار بھی وتر ہیں۔ان تمام وجوہات سے سمجھ میں آ سکتا ہے کہ یہی آخری زمانہ اور دنیا کا آخری دَور ہے جس کے سر پر مسیح موعود کا ظاہر ہونا کتب الٰہیہ سے ثابت ہوتا ہے اور نواب صدیق حسن خان اپنی کتاب حجج الکرامہ میں گواہی دیتے ہیں کہ اسلام میں جسقدر اہل کشف گذرے ہیں کوئی ان میں سے مسیح موعود کا زمانہ مقرر کرنے میں چودھویں صدی کے سر سے آگے نہیں گذرا۔اب اس جگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسیح موعود کو اس امت میں سے پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں وعدہ فرمایا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ نبوت کے اول اور آخر کے لحاظ سے حضرت موسیٰؑ سے مشابہ ہوں گے۔پس وہ مشابہت ایک تو اوّل زمانہ میں تھی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا اور ایک آخری زمانہ میں۔سو اوّل مشابہت یہ ثابت ہوئی کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا نے آخر کار فرعون اور اس کے لشکر پر فتح دی تھی اُسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر کار ابوجہل پر جو اس زمانہ کا فرعون تھا اور اس کے لشکر پر فتح دی اور اُن سب کو

ہلاک کر کے اسلام کو جزیرہ عرب میں قائم کر دیا اور اس نصرت الٰہی سے یہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الٰی فرعون رسولا[1] - اور آخری زمانہ میں یہ مشابہت ہے کہ خدا تعالیٰ نے ملت موسوی کے آخری زمانہ میں ایک ایسا نبی مبعوث فرمایا جو جہاد کا مخالف تھا اور دینی لڑائیوں سے اُسے کچھ سروکار نہ تھا بلکہ عفو اور درگذر اس کی تعلیم تھی۔ اور وہ ایسے وقت میں آیا تھا جب کہ بنی اسرائیل کی اخلاقی حالتیں بہت بگڑ چکی تھیں اور اُن کے چال چلن میں بہت فتور واقع ہو گیا تھا اور اُن کی سلطنت جاتی رہی تھی۔ اور وہ رومی سلطنت کے ماتحت تھے اور وہ حضرت موسیٰ سے ٹھیک ٹھیک چودھویں صدی پر ظاہر ہوا تھا۔ اور اس پر سلسلہ اسرائیلی نبوت کا ختم ہو گیا تھا۔ اور وہ اسرائیلی نبوت کی آخری اینٹ تھی۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانہ میں مسیح ابن مریم کے رنگ اور صفت میں اس راقم کو مبعوث فرمایا اور میرے زمانہ میں رسم جہاد کو اٹھا دیا جیسا کہ پہلے سے خبر دی گئی تھی کہ مسیح موعود کے زمانہ میں جہاد کو موقوف کر دیا جائیگا۔ اسی طرح مجھے عفو اور درگذر کی تعلیم دی گئی۔ اور میں ایسے وقت میں آیا جب کہ اندرونی حالت اکثر مسلمانوں کی یہودیوں کی طرح خراب ہو چکی تھی اور روحانیت گم ہو کر صرف رسوم اور رسم پرستی اُن میں باقی رہ گئی تھی - اور قرآن شریف میں ان امور کی طرف پہلے سے اشارہ کیا گیا تھا۔ جیسا کہ ایک جگہ مسلمانوں کے آخری زمانہ کے لئے قرآن شریف نے وہ لفظ استعمال کیا ہے جو یہود کے لئے استعمال کیا تھا۔ یعنی فرمایا فینظر کیف تعملون[2]۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ تم کو خلافت اور سلطنت دی جائیگی مگر آخری زمانہ میں تمہاری بداعمالی کی وجہ سے وہ سلطنت تم سے چھین لی جائیگی۔ جیسا کہ یہودیوں سے چھین لی گئی تھی - اور پھر سورۃ نور میں صریح اشارہ فرماتا ہے کہ ہر ایک رنگ میں جیسے بنی اسرائیل میں خلیفے گذرے ہیں وہ تمام رنگ اس امت کے خلیفوں میں بھی ہونگے۔ چنانچہ اسرائیلی خلیفوں

صفحہ ۱۷

[1] المزمّل: ۱۶ [2] الاعراف: ۱۳۰

میں سے حضرت عیسیٰ ایسے خلیفے تھے جنہوں نے نہ تلوار اُٹھائی اور نہ جہاد کیا۔ سو اِس اُمت کو بھی اسی رنگ کا مسیح موعود دیا گیا۔ دیکھو آیت وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنّھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکّننّ لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم ولیبدّلنّھم من بعد خوفھم امنًا۔ یعبدوننی لا یشرکون بی شیئًا ومن کفر بعد ذٰلک فاولٰٓئک ھم الفاسقون[1]
اس آیت میں نقرہ کما استخلف الذین من قبلھم قابلِ غور ہے۔ کیونکہ اِس سے سمجھا جاتا ہے کہ محمدی خلافت کا سلسلہ موسوی خلافت کے سلسلہ سے مشابہ ہے اور چونکہ موسوی خلافت کا انجام ایسے نبی پر ہُوا یعنی حضرت عیسیٰ پر جو حضرت موسےٰ سے چودھویں صدی کے سر پر آیا۔ اور نیز کوئی جنگ اور جہاد نہیں کیا اس لئے ضروری تھا کہ آخری خلیفہ سلسلہ محمدی کا بھی اِسی شان کا ہو۔ ۱۵

اسی طرح احادیثِ صحیحہ میں بھی ذکر تھا کہ آخری زمانہ میں اکثر حصہ مسلمانوں کا یہودیوں سے مشابہت پیدا کرلیگا اور سورہ فاتحہ میں بھی اسی کی طرف اشارہ تھا۔ کیونکہ اس میں دُعا سکھلائی گئی ہے کہ اے خدا ہمیں ایسے یہودی بننے سے محفوظ رکھ جو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے وقت میں تھے اور اُن کے مخالف تھے۔ جن پر خدا تعالیٰ کا غضب اِسی دنیا میں نازل ہُوا تھا۔ اور یہ عادت اللہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی قوم کو کوئی حکم دیتا ہے۔ یا ان کو کوئی دُعا سکھلاتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ بعض لوگ ان میں سے اس گناہ کے مرتکب ہونگے جس سے انکو منع کیا گیا ہے۔ پس چونکہ آیت غیر المغضوب علیھم[2] سے مراد وہ یہودی ہیں جو ملّت موسوی کے آخری زمانہ میں یعنی حضرت مسیح کے وقت میں بباعث نہ قبول کرنے حضرت مسیح کے موردِ غضب الٰہی ہوئے تھے اس لئے اس آیت میں سنّت مذکورہ کے لحاظ سے یہ پیشگوئی ہے کہ امتِ محمدیہ کے آخری زمانہ میں بھی اسی اُمت میں سے مسیح موعود ظاہر ہوگا۔ اور بعض مسلمان اس کی مخالفت

[1] النور: ۵۶ [2] الفاتحۃ: ۷

ص۱۰۹

کرکے ان یہودیوں سے مشابہت پیدا کریں گے جو حضرت مسیح کے وقت میں تھے۔ یہ بات جائے اعتراض نہیں کہ آنے والا مسیح اگر اسی امت میں سے تھا تو اس کا نام احادیث میں عیسیٰ کیوں رکھا گیا۔ کیونکہ عادت اللہ اسی طرح واقعہ ہے کہ بعض کو بعض کا نام دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں ابوجہل کا نام فرعون اور حضرت نوحؑ کا نام آدم ثانی رکھا گیا۔ اور یوحنا کا نام ایلیا رکھا گیا۔ یہ وہ عادت الٰہی ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں اور خدا تعالیٰ نے آنے والے مسیح کو پہلے مسیح سے یہ بھی ایک مشابہت دی ہے کہ پہلا مسیح یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰؑ سے چودھویں صدی پر ظاہر ہوا تھا اور ایسا ہی آخری مسیح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے چودھویں صدی پر ظاہر ہوا ایسے وقت میں جبکہ ہندوستان سے سلطنت اسلامی جاتی رہی تھی۔ اور انگریزی سلطنت کا دَور تھا۔ جیسا کہ حضرت مسیح بھی ایسے ہی وقت میں ظاہر ہوئے تھے جبکہ اسرائیلی سلطنت زوال پذیر ہوکر یہودی لوگ رومی سلطنت کے تحت ہو چکے تھے۔ اور اس امت کے مسیح

ص۱۱۰

موعود کے لئے ایک اَور مشابہت حضرت عیسیٰؑ سے ہے اور وہ یہ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام پورے طور پر بنی اسرائیل میں سے نہ تھے بلکہ صرف ماں کی وجہ سے اسرائیلی کہلاتے تھے۔ ایسا ہی اس عاجز کی بعض دادیاں سادات میں سے ہیں گو باپ سادات میں سے نہیں۔ اور حضرت عیسیٰؑ کے لئے خدا نے جو یہ پسند کیا کہ کوئی اسرائیلی حضرت مسیحؑ کا باپ نہ تھا اس میں یہ بھید تھا کہ خدا تعالیٰ بنی اسرائیل کی کثرت گناہوں کی وجہ سے اُن پر سخت ناراض تھا۔ پس اس لئے تنبیہ کے طور پر اُن کو یہ نشان دکھلایا کہ اُن میں سے ایک بچہ صرف ماں سے بغیر شراکت باپ کے پیدا کیا۔ گویا اسرائیلی وجود کے دو حصوں میں سے صرف ایک حصہ حضرت مسیح کے پاس رہ گیا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آنے والے نبی میں یہ بھی نہیں ہوگا۔ پس چونکہ دنیا ختم ہونے پر ہے اس لئے میری اس پیدائش میں بھی ایک اشارہ ہے اور وہ یہ کہ قیامت قریب ہے۔ اور وہ ہی

قریش کی خلافت کے دعاوی کو ختم کر دے گی۔ غرض موسوی اور محمدی مماثلت کو پورا کرنے کے لئے ایسے مسیح موعود کی ضرورت تھی جو ان تمام لوازم کے ساتھ ظاہر ہوتا جیساکہ سلسلہ اسلامیہ مثیل موسیٰ سے شروع ہوا۔ ایسا ہی وہ سلسلہ مثیل عیسیٰ پر ختم ہو جائے تا آخر کو اوّل سے مشابہت ہو۔ پس یہ بھی میری سچائی کے لئے ایک ثبوت ہے۔ لیکن ان لوگوں کے لئے جو خدا ترسی سے غور کرتے ہیں۔ خدا اس زمانہ کے مسلمانوں پر رحم کرے کہ اکثر ان کے اعتقادی امور ظلم اور ناانصافی میں حد سے گذر گئے ہیں۔ قرآن شریف میں پڑھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہوگئے اور پھر ان کو زندہ سمجھتے ہیں۔ ایسا ہی قرآن شریف میں سورۃ نور میں پڑھتے ہیں کہ تمام خلیفے آنے والے اسی امت میں سے ہونگے اور پھر حضرت عیسیٰؑ کو آسمان سے اتار رہے ہیں۔ اور صحیح بخاری اور مسلم میں پڑھتے ہیں کہ وہ عیسیٰ جو اس امت کے لئے آئیگا وہ اسی اُمت میں سے ہوگا۔ پھر اسرائیلی عیسیٰؑ کے منتظر ہیں اور قرآن شریف میں پڑھتے ہیں کہ عیسیٰؑ دوبارہ دنیا میں نہیں آئیگا اور باوجود اس علم کے پھر اس کو دوبارہ دنیا میں لانا چاہتے ہیں۔ اور باایں ہمہ دعویٔ اسلام بھی ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ مع جسم عنصری اُٹھائے گئے مگر اس کا جواب نہیں دیتے کہ کیوں اٹھائے گئے۔ یہود کا جھگڑا تو صرف رفع روحانی کے بارہ میں تھا اور اُن کا خیال تھا کہ ایمانداروں کی طرح حضرت عیسیٰ کی رُوح آسمان پر نہیں اُٹھائی گئی کیونکہ وہ صلیب دیئے گئے تھے۔ اور جو صلیب دیا جائے وہ لعنتی ہے یعنی آسمان پر خدا کی طرف اس کی رُوح نہیں اٹھائی جاتی۔ اور قرآن شریف نے صرف اسی جھگڑے کو فیصلہ کرنا تھا جیساکہ قرآن شریف کا دعویٰ ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ کی غلطیوں کو ظاہر کرتا ہے اور ان کے تنازعات کا فیصلہ کرتا ہے۔ اور یہود کا جھگڑا تو یہ تھا کہ عیسیٰ مسیح ایماندار لوگوں میں سے نہیں ہے اور اس کی نجات نہیں ہوئی اور اس کی رُوح کا رفع خدا تعالیٰ کی طرف نہیں ہوا۔ پس فیصلہ طلب یہ امر تھا کہ عیسیٰ مسیحؑ ایماندار اور خدا کا سچا نبی ہے یا نہیں۔ اور اس کی رُوح کا رفع مومنوں کی طرح خدا تعالیٰ کی طرف

ص۱۸

ص۱۹

ہُوا یا نہیں۔ یہی قرآن شریف نے فیصلہ کرنا تھا۔ پس اگر آیت بل رفعه الله الیه[1] سے یہ مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت عیسٰیؑ کو مع جسم عنصری دوسرے آسمان پر اُٹھا لیا تو اس کارروائی سے متنازعہ فیہ امر کا کیا فیصلہ ہُوا؟ گویا خدا نے امر متنازعہ فیہ کو سمجھا ہی نہیں اور وہ فیصلہ دیا جو یہودیوں کے دعویٰ سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتا۔ پھر آیت میں تو یہ صاف لکھا ہے کہ عیسٰیؑ کا رفع خدا کی طرف ہُوا۔ یہ تو نہیں لکھا کہ دوسرے آسمان کی طرف ہُوا۔ کیا خدائے عزّ وجلّ دوسرے آسمان پر بیٹھا ہُوا ہے؟ یا نجات اور ایمان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جسم بھی ساتھ ہی اٹھایا جائے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ آیت بل رفعه الله الیه میں آسمان کا ذکر بھی نہیں۔ بلکہ اس آیت کے تو صرف یہ معنی ہیں کہ خدا نے اپنی طرف مسیح کو اٹھا لیا۔ اب بتلاؤ کہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ حضرت اسمٰعیلؑ۔ حضرت اسحاقؑ۔ حضرت یعقوبؑ۔ حضرت موسٰیؑ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ کسی اَور طرف اٹھائے گئے تھے خدا کی طرف نہیں؟ مَیں اسجگہ زور سے کہتا ہوں کہ اس آیت کی حضرت مسیح سے تخصیص سمجھنا یعنی رفع الی الله انہیں کے ساتھ خاص کرنا اور دوسرے نبیوں کو اس سے باہر رکھنا یہ کلمۂ کفر ہے۔ اِس سے بڑھکر اور کوئی کفر نہ ہوگا۔ کیونکہ ایسے معنوں سے باستثناء حضرت عیسٰیؑ تمام انبیاء کو رفع سے جواب دیا گیا ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج سے آکر اُن کی رفع کی گواہی بھی دی۔ اور یہ یاد رہے کہ حضرت عیسٰیؑ کی رفع کا ذکر صرف یہودیوں کی تنبیہ اور دفع اعتراض کے لئے تھا۔ ورنہ یہ رفع تمام انبیاء اور رُسل اور مومنوں میں عام ہے اور مرنے کے بعد ہر ایک مومن کا رفع ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت (هٰذا ذکرٌ وانّ للمتقین لحسن مآب جنّٰت عدنٍ مفتّحة لهم الابواب[2] سورۃ ص پارہ ۲۳ ع۱۳) میں اس رفع کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن کافر کا رفع نہیں ہوتا چنانچہ آیت لا تفتّح لهم ابواب السماء[3] اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ہاں جن لوگوں نے

ص ۲۰

[1] النساء: ۱۵۹ [2] صٓ: ۵۰، ۵۱ [3] الاعراف: ۴۱

مجھ سے پہلے اس بارے میں غلطی کی ہے ان کو وہ غلطی معاف ہے کیونکہ اُن کو یاد نہیں دلایا گیا تھا۔ اُن کو حقیقی معنے خدا کے کلام کے سمجھائے نہیں گئے تھے۔ پر مَیں نے تم کو یاد دلا دیا اور صحیح صحیح معنے سمجھا دیئے۔ اگر مَیں نہ آیا ہوتا تو غلطی کے لئے رسمی تقلید کا ایک عذر تھا۔ لیکن اب کوئی عذر باقی نہیں۔ میرے لئے آسمان نے گواہی دی اور زمین نے بھی۔ اور اس اُمت کے بعض اولیاء نے میرا نام اور میرے مسکن کا نام لے کر گواہی دی کہ وہی مسیح موعود ہے۔ اور بعض گواہی دینے والے میرے ظہور سے تیس برس پہلے دنیا سے گذر چکے جیسا کہ اُنکی شہادتیں مَیں شائع کر چکا ہوں۔ اور اسی زمانہ میں بعض بزرگانِ دین نے جنکے لاکھوں انسان پیرو تھے خدا سے الہام پاکر اور آنحضرتؐ سے رؤیا میں سُنکر میری تصدیق کی۔ اور اب تک ہزارہا نشان مجھ سے ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور خدا کے پاک نبیوں نے میرے وقت اور زمانہ کو مقرر کیا۔ اور اگر تم سوچو تو تمہارے ہاتھ پیر اور تمہارے دل بھی میرے لئے گواہی دیتے ہیں۔ کیونکہ کمزوریاں حد سے گذر گئیں اور اکثر لوگ ایمان کی حلاوت کو بھی بھول گئے۔ اور جس ضعف اور کمزوری اور غلطی اور بے راہی اور دنیا پرستی اور تاریکی میں یہ قوم گرفتار ہو رہی ہے یہ حالت بالطبع تقاضا کر رہی ہے کہ کوئی اُٹھے اور اُن کی دستگیری کرے۔ باایں ہمہ اب تک میرا نام دجّال رکھا جاتا ہے وہ قوم کیسی بدنصیب ہے کہ اُنکی ایسی نازک حالت کے وقت اُن کیلئے دجّال بھیجا جائے۔ وہ قوم کیسی بدبخت ہے کہ اُنکی اندرونی تباہی کے وقت ایک اور تباہی آسمان سے دی جائے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ شخص لعنتی ہے۔ بے ایمان ہے یہی لفظ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو بھی کہے گئے تھے اور ناپاک یہودی اب تک کہتے ہیں مگر قیامت کو جو لوگ جہنم کا مزا چکھیں گے وہ کہیں گے مَالَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا کُنَّا نَعُدُّھُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ[1] یعنی ہمیں کیا ہو گیا کہ دوزخ میں ہمیں وہ لوگ نظر نہیں آتے جنہیں ہم شریر سمجھتے تھے۔ دنیا نے ہمیشہ خدا کے ماموروں سے دشمنی کی۔ کیونکہ دنیا سے پیار کرنا اور خدا کے مرسلوں سے پیار کرنا ہرگز ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتا۔ اور تم دنیا سے پیار نہ کرتے تو مجھے دیکھ

۲۱

[1] صٓ : ۶۳

پیتے لیکن اب تم مجھے دیکھ نہیں سکتے۔

صفحہ ۲۲ پھر ماسوائے اس کے اگر یہ بات صحیح ہے کہ آیت بل رفعہ اللہ الیہ[1] کے یہی معنے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمانِ دوم کی طرف اٹھائے گئے تو پھر پیش کرنا چاہیئے کہ اصل متنازعہ فیہ امر کا فیصلہ کس آیت میں بتلایا گیا ہے۔ یہودی جو اب تک زندہ اور موجود ہیں وہ تو حضرت مسیح کے رفع کے انہیں معنوں سے منکر ہیں کہ وہ نعوذ باللہ مومن اور صادق نہ تھے اور اُن کی رُوح کا خدا کی طرف رفع نہیں ہوا۔ اور شک ہو تو یہودیوں کے علماء سے جا کر پُوچھ لو کہ وہ صلیبی موت سے یہ نتیجہ نہیں نکالتے کہ اس موت سے رُوح مع جسم آسمان پر نہیں جاتی۔ بلکہ وہ بالاتفاق یہ کہتے ہیں کہ جو شخص صلیب کے ذریعہ سے مارا جائے وہ ملعون ہے۔ اس کا خدا کی طرف رفع نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں حضرت عیسٰی کی صلیبی موت سے انکار کیا اور فرمایا وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبّہ لھم اور صلبوہ[2] کے ساتھ آیت میں قتلوہ کا لفظ بڑھا دیا تا اس بات پر دلالت کرے کہ صرف صلیب پر چڑھایا جانا موجب لعنت نہیں بلکہ شرط یہ ہے کہ صلیب پر چڑھایا بھی جائے اور بہ نیت قتل اُس کی ٹانگیں بھی توڑی جائیں اور اس کو مارا بھی جائے تب وہ موت ملعون کی موت کہلائے گی۔ مگر خدا نے حضرت عیسٰی کو اس موت سے بچا لیا۔ وہ صلیب پر چڑھائے گئے مگر صلیب کے ذریعہ سے اُن کی موت نہیں ہوئی۔ ہاں یہود کے دلوں میں یہ شُبہ ڈال دیا کہ گویا وہ صلیب پر مر گئے ہیں۔ اور یہی دھوکا نصاریٰ کو صفحہ ۲۳ بھی لگ گیا۔ ہاں انہوں نے خیال کیا کہ وہ مرنے کے بعد زندہ ہو گئے ہیں۔ لیکن اصل بات صرف اتنی تھی کہ اس صلیب کے صدمہ سے بیہوش ہو گئے تھے اور یہی معنے شبّہ لھم کے ہیں۔ اِس واقعہ پر مرہم عیسٰی کا نسخہ ایک عجیب شہادت ہے۔ جو صدہا سال سے عبرانیوں۔ رومیوں اور یونانیوں اور اہل اسلام کی قرابادینوں میں

[1] النساء: ۱۵۹ [2] النساء: ۱۵۸

منسوخ ہوتا چلا آیا ہے جس کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ حضرت عیسٰے کے واسطے یہ نسخہ بنایا گیا تھا غرض یہ خیالات نہایت قابلِ شرم ہیں کہ خدا تعالیٰ حضرت مسیح کو مع جسم آسمان پر اٹھا لے گیا تھا۔ گویا یہودیوں سے ڈرتا تھا کہ کہیں پکڑ نہ لیں۔ جن لوگوں کو اصل تنازعہ کی خبر نہ تھی انہوں نے ایسے خیالات پھیلائے ہیں۔ اور ایسے خیالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو ہے۔ کیونکہ آپ سے کفارِ قریش نے بہ تمام تر اصرار یہ معجزہ طلب کیا تھا کہ آپ ہمارے رُوبرو آسمان پر چڑھ جائیں اور کتاب لے کر آسمان سے اُتریں تو ہم سب ایمان لے آویں گے اور ان کو یہ جواب ملا تھا قل سبحان ربّی ھل کنت الّا بشرًا رسولًا[1] یعنی میں ایک بشر ہوں اور خدا تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وعدہ کے برخلاف کسی بشر کو آسمان پر چڑھاوے۔ حالانکہ وہ وعدہ کر چکا ہے کہ تمام بشر زمین پر ہی اپنی زندگی بسر کرینگے۔ لیکن حضرت مسیح کو خدا نے آسمان پر مع جسم چڑھا دیا۔ اور اس وعدہ کا کچھ پاس نہ کیا۔ جیسا کہ فرمایا تھا۔ فیھا تحیون وفیھا تموتون ومنھا تخرجون[2]۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ ہمیں کسی مسیح موعود کے ماننے کی ضرورت نہیں اور کہتے ہیں کہ گو ہم نے قبول کیا کہ حضرت عیسٰی فوت ہو گئے ہیں۔ لیکن جبکہ ہم مسلمان ہیں اور نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے ہیں اور احکام اسلام کی پیروی کرتے ہیں تو پھر ہمیں کسی دوسرے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اس خیال کے لوگ سخت غلطی میں ہیں اوّل تو وہ مسلمان ہونے کا دعوٰی کیونکر کر سکتے ہیں جبکہ وہ خدا اور رسول کے حکم کو نہیں مانتے حکم تو یہ تھا کہ جب وہ امام موعود ظاہر ہو تو تم بلا توقف اُس کی طرف دوڑو۔ اور اگر برف پر گھٹنوں کے بل بھی چلنا پڑے تب بھی اپنے تئیں اُس تک پہنچاؤ لیکن اس کے برخلاف اب لاپرواہی ظاہر کی جاتی ہے۔ کیا یہی اسلام ہے؟ اور یہی مسلمانی ہے۔ اور نہ صرف اس قدر بلکہ سخت سخت گالیاں دی جاتی ہیں اور کافر کہا جاتا ہے۔ اور نام دجّال رکھا جاتا ہے اور جو شخص مجھے دُکھ دیتا ہے وہ

[1] بنی اسرائیل: ۹۴ [2] الاعراف: ۲۶

خیال کرتا ہے کہ مَیں نے بڑا ثواب کا کام کیا ہے۔ اور جو مجھے کاذب کاذب کہتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ مَیں نے خدا کو خوش کر دیا۔

اَے وے لوگو! جن کو صبر اور تقویٰ کی تعلیم دی گئی تھی تمہیں جلدبازی اور بدظنی کس نے سکھلائی۔ کونسا نشان ہے جو خدا نے ظاہر نہ کیا۔ اور کونسی دلیل ہے جو خدا نے پیش نہ کی مگر تم نے قبول نہ کیا۔ اور خدا کے حکموں کو دلیری سے ٹال دیا۔ مَیں اِس زمانہ کے حیلہ گر لوگوں کو کس سے تشبیہ دوں۔ وہ اُس مکّار سے مشابہ ہیں کہ روز روشن میں آنکھیں بند کر کے کہتا ہے کہ سورج کہاں ہے۔ اے اپنے نفس کے دھوکہ دینے والے! اوّل اپنی آنکھ کھول۔ پھر تجھے سورج دکھائی دے دیگا۔ خدا کے مرسل کو کافر کہنا سہل ہے مگر ایمان کی باریک راہوں میں اس کی پیروی کرنا مشکل ہے۔ خدا کے فرستادہ کو دجّال کہنا بہت آسان ہے مگر اس کی تعلیم کے موافق تنگ دروازہ میں داخل ہونا بہت دشوار امر ہے۔ ہریک جو کہتا ہے کہ مجھے مسیح موعود کی پرواہ نہیں ہے اُس کو ایمان کی پرواہ نہیں ہے۔ ایسے لوگ حقیقی ایمان اور نجات اور سچی پاکیزگی سے لاپروا ہیں۔ اگر وہ ذرا انصاف سے کام لیں اور اپنے اندرونی حالات پر نظر ڈالیں تو انہیں معلوم ہوگا کہ بغیر اس تازہ یقین کے جو خدا کے مُرسلوں اور نبیوں کے ذریعہ سے آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ اُن کی نمازیں صرف رسم اور عادت سے ہیں اور اُن کے روزے صرف فاقہ کشی ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ کوئی انسان نہ تو واقعی طور پر گناہ سے نجات پا سکتا ہے اور نہ سچے طور پر خدا سے محبت کر سکتا ہے اور نہ جیسا کہ حق ہے اس سے ڈر سکتا ہے جب تک کہ اُسی کے فضل اور کرم سے اُس کی معرفت حاصل نہ ہو اور اس سے طاقت نہ ملے اور یہ بات نہایت ظاہر ہے کہ ہر ایک خوف اور محبت معرفت سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ دنیا کی تمام چیزیں جن سے انسان دل لگاتا ہے اور اُن سے محبت کرتا ہے یا اُن سے ڈرتا ہے اور دُور بھاگتا ہے۔ یہ سب حالات انسان کے دل کے اندر معرفت کے بعد ہی پیدا ہوتے

۲۵

ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ معرفت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک خدا تعالیٰ کا فضل نہ ہو۔ اور نہ مفید ہو سکتی ہے جب تک خدا تعالیٰ کا فضل نہ ہو۔ اور فضل کے ذریعہ سے معرفت آتی ہے۔ تب معرفت کے ذریعہ سے حق بینی اور حق جوئی کا ایک دروازہ کھلتا ہے۔ اور پھر بار بار فضل سے ہی وہ دروازہ کھلا رہتا ہے اور بند نہیں ہوتا۔ غرض معرفت فضل کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے اور پھر فضل کے ذریعہ سے ہی باقی رہتی ہے۔ فضل معرفت کو نہایت مصفّٰی اور روشن کر دیتا ہے اور حجابوں کو درمیان سے اٹھا دیتا ہے۔ اور نفس امّارہ کے لئے گرد و غبار کو دُور کر دیتا ہے۔ اور رُوح کو قوت اور زندگی بخشتا ہے اور نفس امّارہ کو امارگی کے زندان سے نکالتا ہے اور بدخواہشوں کی پلیدی سے پاک کرتا ہے اور نفسانی جذبات کے تند سیلاب سے باہر لاتا ہے۔ تب انسان میں ایک تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور وہ ابھی گندی زندگی سے طبعًا بیزار ہو جاتا ہے کہ بعد اس کے پہلی حرکت جو فضل کے ذریعہ سے رُوح میں پیدا ہوتی ہے وہ دُعا ہے۔ یہ خیال مت کرو کہ ہم بھی ہر روز دُعا کرتے ہیں اور تمام نماز دُعا ہی ہے جو ہم پڑھتے ہیں۔ کیونکہ وہ دعا جو معرفت کے بعد اور فضل کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہے وہ اور رنگ اور کیفیت رکھتی ہے۔ وہ فنا کرنے والی چیز ہے۔ وہ گداز کرنے والی آگ ہے وہ رحمت کو کھینچنے والی ایک مقناطیسی کشش ہے۔ وہ موت ہے پر آخر کو زندہ کرتی ہے۔ وہ ایک تند سیل ہے پر آخر کو کشتی بن جاتی ہے۔ ہر ایک بگڑی ہوئی بات اس سے بن جاتی ہے اور ہر ایک زہر آخر اس سے تریاق ہو جاتا ہے۔

مبارک وہ قیدی جو دُعا کرتے ہیں۔ تھکتے نہیں۔ کیونکہ ایک دن رہائی پائیں گے۔
مبارک وہ اندھے جو دُعاؤں میں سست نہیں ہوتے کیونکہ ایک دن دیکھنے لگیں گے۔
مبارک وہ جو قبروں میں پڑے ہوئے دُعاؤں کے ساتھ خدا کی مدد چاہتے ہیں۔ کیونکہ ایک دن قبروں سے باہر نکالے جائیں گے۔

ص۲۷

مبارک تم جبکہ دُعا کرنے میں کبھی ماندہ نہیں ہوتے اور تمہاری رُوح دُعا کے لئے پگھلتی اور تمہاری آنکھ آنسو بہاتی اور تمہارے سینہ میں ایک آگ پیدا کر دیتی ہے اور تمہیں تنہائی کا ذوق اُٹھانے کے لئے اندھیری کوٹھڑیوں اور سنسان جنگلوں میں لے جاتی ہے اور تمہیں بے تاب اور دیوانہ اور از خود رفتہ بنا دیتی ہے۔ کیونکہ آخر تم پر فضل کیا جاوے گا۔ وہ خدا جس کی طرف ہم بلاتے ہیں نہایت کریم و رحیم۔ حیا والا۔ صادق وفادار۔ عاجزوں پر رحم کرنے والا ہے پس تم بھی وفادار بن جاؤ اور پورے صدق اور وفا سے دُعا کرو۔ کہ وہ تم پر رحم فرمائے گا۔ دنیا کے شور و غوغا سے الگ ہو جاؤ۔ اور نفسانی جھگڑوں کا دین کو رنگ مت دو۔ خدا کے لئے ہار اختیار کر لو اور شکست کو قبول کر لو تا بڑی بڑی فتحوں کے تم وارث بن جاؤ۔ دُعا کرنے والوں کو خدا معجزہ دکھائے گا۔ اور مانگنے والوں کو ایک خارق عادت نعمت دی جائیگی۔ دُعا خدا سے آتی ہے اور خدا کی طرف ہی جاتی ہے۔ دُعا سے خدا ایسا نزدیک ہو جاتا ہے جیسا کہ تمہاری جان تم سے نزدیک ہے۔ دُعا کی پہلی نعمت یہ ہے کہ انسان میں پاک تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس تبدیلی سے خدا بھی اپنی صفات میں تبدیلی کرتا ہے۔ اور اس کے صفات غیر متبدل ہیں مگر تبدیلی یافتہ کے لئے اُس کی ایک الگ تجلّی ہے جس کو دنیا نہیں جانتی۔ گویا وہ اَور خدا ہے حالانکہ اور کوئی خدا نہیں۔ مگر نئی تجلّی نئے رنگ میں اس کو ظاہر کرتی ہے۔ تب اس خاص تجلّی کے شان میں اس تبدیل یافتہ کے لئے وہ کام کرتا ہے جو دوسروں کے لئے نہیں کرتا۔ یہی وہ خوارق ہے۔

ص۲۸

غرض دُعا وہ اکسیر ہے جو ایک مشتِ خاک کو کیمیا کر دیتی ہے اور وہ ایک پانی ہے جو اندرونی غلاظتوں کو دھو دیتا ہے۔ اس دُعا کے ساتھ رُوح پگھلتی ہے اور پانی کی طرح بہہ کر آستانہ حضرتِ احدیت پر گرتی ہے۔ وہ خدا کے حضور میں کھڑی بھی ہوتی ہے اور رکوع بھی کرتی ہے اور سجدہ بھی کرتی ہے۔ اور اسی کی ظلّ وہ نماز ہے جو

اسلام نے سکھلائی ہے۔ اور رُوح کا کھڑا ہونا یہ ہے کہ وہ خدا کے لئے ہر ایک مصیبت کی برداشت اور حکم ماننے کے بارے میں مستعدی ظاہر کرتی ہے۔ اور اس کا رکوع یعنی جھکنا یہ ہے کہ وہ تمام محبتوں اور تعلقوں کو چھوڑ کر خدا کی طرف جھک آتی ہے اور خدا کے لئے ہو جاتی ہے۔ اور اُس کا سجدہ یہ ہے کہ وہ خدا کے آستانہ پر گر کر اپنے خیال بکلی کھو دیتی ہے۔ اور اپنے نقشِ وجود کو مٹا دیتی ہے۔ یہی نماز ہے جو خدا کو ملاتی ہے اور شریعت اسلامی نے اس کی تصویر معمولی نماز میں کھینچ کر دکھلائی ہے تا وہ جسمانی نماز رُوحانی نماز کی طرف محرک ہو کیونکہ خدا تعالیٰ نے انسان کے وجود کی ایسی بناوٹ پیدا کی ہے کہ رُوح کا اثر جسم پر اور جسم کا اثر رُوح پر ضرور ہوتا ہے۔ جب تمہاری رُوح غمگین ہو تو آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اور جب رُوح میں خوشی پیدا ہو تو چہرہ پر بشاشت ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ انسان بسا اوقات ہنسنے لگتا ہے۔ ایسا ہی جب جسم کو کوئی تکلیف اور درد پہنچے تو اس درد میں رُوح بھی شریک ہوتی ہے۔ اور جب جسم کسی ٹھنڈی ہوا سے خوش ہو تو رُوح بھی اس سے کچھ حصہ لیتی ہے پس جسمانی عبادات کی غرض یہ ہے کہ رُوح اور جسم کے باہمی تعلقات کی وجہ سے رُوح میں حضرت احدیت کی طرف حرکت پیدا ہو اور وہ روحانی قیام اور سجود میں مشغول ہو جائے۔ کیونکہ انسان ترقیات کے لئے مجاہدات کا محتاج ہے اور یہ بھی ایک قسم مجاہدہ کی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جب دو چیزیں باہم پیوست ہوں۔ تو جب ہم ان میں سے ایک چیز کو اٹھائیں گے تو اس اٹھانے سے دوسری چیز کو بھی جو اس سے ملحق ہے کچھ حرکت پیدا ہوگی۔ لیکن صرف جسمانی قیام اور رکوع اور سجود میں کچھ فائدہ نہیں ہے جب تک کہ اس کے ساتھ یہ کوشش شامل نہ ہو کہ رُوح بھی اپنے طور سے قیام اور رکوع اور سجود سے کچھ حصہ لے۔ اور یہ حصہ لینا معرفت پر موقوف ہے اور معرفت فضل پر موقوف۔ اور خدا نے قدیم سے اور جب سے کہ

۲۹

انسان کو پیدا کیا ہے یہ سنّت جاری کی ہے کہ وہ پہلے اپنے فضل عظیم سے جس کو چاہتا ہے اُس پر رُوح القدس ڈالتا ہے۔ اور پھر رُوح القدس کی مدد سے اس کے اندر اپنی محبت پیدا کرتا ہے۔ اور صدق و ثبات بخشتا ہے اور بہت سے نشانوں سے اس کی معرفت کو قوی کر دیتا ہے اور اس کی کمزوریوں کو دُور کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ سچ مچ اس کی راہ میں جان دینے کو تیار ہوتا ہے۔ اور اس کا اُس ذات قدیم سے کچھ ایسا غیر منفک تعلق ہو جاتا ہے کہ وہ تعلق کسی مصیبت سے دُور نہیں ہو سکتا اور کوئی تلوار اس علاقہ کو قطع نہیں کر سکتی۔ اور اس محبت کا کوئی عارضی سہارا نہیں ہوتا۔ نہ بہشت کی خواہش نہ دوزخ کا خوف نہ دنیا کا آرام اور نہ کوئی مال و دولت بلکہ ایک لامعلوم تعلق ہے جس کو خدا ہی جانتا ہے۔ اور عجیب تر یہ کہ یہ گرفتارِ محبت بھی اس تعلق کی کُنہ کو نہیں پہنچ سکتا کہ کیوں ہے اور کس خواہش اور کس طرح سے ہے کیونکہ وہ ازل سے تعلق ہوتا ہے۔ وہ تعلق معرفت کے ذریعہ سے نہیں بلکہ معرفت بعد میں آتی ہے جو اس تعلق کو روشن کر دیتی ہے۔ جیسا کہ پتھر میں آگ تو پہلے سے ہے لیکن چقماق سے آگ کے شعلے نکلنے شروع ہو جاتے ہیں اور ایسے شخص میں ایک طرف تو خدا تعالیٰ کی ذاتی محبت ہوتی ہے اور دوسری طرف بنی نوع کی ہمدردی اور اصلاح کا بھی ایک عشق ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ایک طرف تو خدا کے ساتھ اس کا ایسا ربط ہوتا ہے جو اس کی طرف ہر وقت کھینچا چلا جاتا ہے اور دوسری طرف نوعِ انسان کے ساتھ بھی اس کا ایسا تعلق ہوتا ہے جو اُن کی مستعد طبائع کو اپنی طرف کھینچتا ہے جیسا کہ آفتاب زمین کے تمام طبقات کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور خود بھی ایک طرف کھینچا جا رہا ہے۔ یہی حالت اس شخص کی ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کو اصطلاحِ اسلام میں **نبی** اور **رسول** اور **محدث** کہتے ہیں۔ اور وہ خدا کے پاک مکالمات اور مخاطبات سے مشرف ہوتے ہیں اور خوارق اُن کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اکثر دعائیں اُن کی قبول ہوتی ہیں اور اپنی دعاؤں میں خدا تعالیٰ سے بکثرت جواب پاتے ہیں۔ بعض جاہل اس جگہ

ص۳۹

یہ کہا کرتے ہیں کہ ہمیں بھی سچی خوابیں آجاتی ہیں۔کبھی دُعا بھی قبول ہو جاتی ہے۔کبھی الہام بھی ہو جاتا ہے۔پس ہم میں اور رسولوں میں کیا فرق ہے؟ پس اُن کے نزدیک خدا کے نبی مکّار یا دھوکا خوردہ ہیں۔جو ایک معمولی بات پر فخر کر رہے ہیں۔اور اُن میں اور اُن کے غیر میں کچھ بھی فرق نہیں۔یہ ایک ایسا مغرورانہ خیال ہے جس سے اس زمانہ میں بہت سے لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔لیکن طالب حق کے لئے ان اوہام کا صاف جواب ہے اور وہ یہ کہ بلاشبہ یہ بات سچ ہے کہ خدا نے ایک گروہ کو اپنے خاص فضل اور عنایت کے ساتھ برگزیدہ کرکے اپنی رُوحانی نعمتوں کا بہت سا حصہ اُن کو دیا ہے اس لئے باوجود اس کے کہ لیسے معاند اور اندھے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام سے منکر رہے ہیں تاہم خدا کے نبی اُن پر غالب آتے رہے ہیں۔اور اُن کا خارق عادت نور ہمیشہ ایسے طور سے ظاہر ہوتا رہا ہے کہ آخر عقلمندوں کو ماننا پڑا ہے کہ اُن میں اور اُن کے غیروں میں ایک عظیم الشان امتیاز ہے۔جیسا کہ ظاہر ہے کہ ایک مفلس گدائی پیشہ کے پاس بھی چند درہم ہوتے ہیں اور ایک شہنشاہ کے خزائن بھی دراہم سے پُر ہوتے ہیں۔مگر وہ مفلس نہیں کہہ سکتا کہ میں اس بادشاہ کے برابر ہوں۔یا مثلاً ایک کیڑے میں روشنی ہوتی ہے جو رات کو چمکتا ہے اور آفتاب میں بھی روشنی ہے مگر کیڑا نہیں کہہ سکتا کہ میں آفتاب کے برابر ہوں اور خدا نے جو عام لوگوں کے نفوس میں رؤیا اور کشف اور الہام کی کچھ کچھ تخم ریزی کی ہے وہ محض اس لئے ہے کہ وہ لوگ اپنے ذاتی تجربہ سے انبیاء علیہم السلام کو شناخت کر سکیں اور اس راہ سے بھی اُن پر حجّت پوری ہو اور کوئی عذر باقی نہ رہے۔

اور پھر ایک خصوصیت خدا کے برگزیدہ بندوں میں یہ ہے کہ وہ اہل تاثیر اور اہل جذب ہوتے ہیں اور وہ دنیا میں رُوحانی نسلوں کے قائم کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔اور چونکہ وہ علیٰ وجہ البصیرت رہنمائی کرتے ہیں اور مخلوق کے ظلمانی پردوں کو درمیان سے اٹھاتے ہیں اس لئے سچی معرفت الٰہی اور سچی محبت الٰہی اور سچّا زہد و تقویٰ اور ذوق اور حلاوت

ص۲۱

۳۱

انہیں کے ذریعہ سے دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور اُن سے تعلق توڑنا ایسا ہوتا ہے کہ جیسا کہ ایک شاخ اپنے درخت سے تعلق توڑ دے۔ اور ان تعلقات میں کچھ ایسی خاصیت ہے کہ تعلق کرنے کے ساتھ ہی بشرط مناسبت روحانیت کا نشو ونما شروع ہو جاتا ہے۔ اور تعلق توڑنے کے ساتھ ہی ایمانی حالت پر گرد وغبار آنا شروع ہو جاتا ہے۔ پس یہ نہایت مغرورانہ خیال ہے کہ کوئی یہ کہے کہ مجھے خدا کے نبیوں اور رسولوں کی ضرورت نہیں اور نہ کچھ حاجت۔ یہ سلب ایمان کی نشانی ہے۔ اور ایسے خیال والا انسان اپنے تئیں دھوکا دیتا ہے۔ جبکہ وہ کہتا ہے کہ کیا میں نماز نہیں پڑھتا یا روزہ نہیں رکھتا۔ یا کلمہ گو نہیں ہوں۔ چونکہ وہ سچے ایمان اور سچے ذوق وشوق سے بے خبر ہے اس لئے ایسا کہتا ہے۔ اُس کو سوچنا چاہیئے کہ گو انسان کو خدا ہی پیدا کرتا ہے مگر کس طرح اُس نے ایک انسان کو دوسرے انسان کی پیدائش کا سبب بنا دیا ہے۔ پس جس طرح جسمانی سلسلہ میں جسمانی باپ ہوتے ہیں جن کے ذریعہ سے انسان پیدا ہوتا ہے ایسا ہی روحانی سلسلہ میں روحانی باپ بھی ہیں جن سے روحانی پیدائش ہوتی ہے۔ ہوشیار رہو اور اپنے تئیں صرف ظاہری صورت اسلام سے دھوکا مت دو۔ اور خدا کی کلام کو غور سے پڑھو کہ وہ تم سے کیا چاہتا ہے۔ وہ وہی امر تم سے چاہتا ہے جس کے بارہ میں سورہ فاتحہ میں تمہیں دعا سکھلائی گئی ہے۔ یعنی یہ دُعا کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم[1]۔ پس جبکہ خدا تمہیں یہ تاکید کرتا ہے کہ پنجوقت یہ دعا کرو کہ وہ نعمتیں جو نبیوں اور رسولوں کے پاس ہیں وہ تمہیں بھی ملیں۔ پس تم بغیر نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ کے وہ نعمتیں کیونکر پا سکتے ہو۔ لہٰذا ضرور ہوا کہ تمہیں یقین اور محبت کے مرتبہ پر پہنچانے کے لئے خدا کے انبیاء وقتاً بعد وقتٍ آتے رہیں جن سے تم وہ نعمتیں پاؤ۔ اب کیا تم خدا تعالیٰ کا مقابلہ کرو گے اور اُس کے قدیم قانون کو توڑ دو گے۔ کیا نطفہ کہہ سکتا ہے کہ میں باپ کے ذریعہ سے پیدا ہونا نہیں چاہتا تھا؟ کیا کان کہہ سکتے ہیں کہ ہم ہوا کے ذریعہ سے

[1] الفاتحۃ: ۶-۷

آواز کو سُننا نہیں چاہتے۔ اِس سے بڑھ کر اور کیا نادانی ہوگی کہ خدا تعالےٰ کے قدیم قانون پر حملہ ہو۔

۲۳ اخیر پر یہ بھی واضح ہو کہ میرا اس زمانہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آنا محض مسلمانوں کی اصلاح کے لئے ہی نہیں ہے بلکہ مسلمانوں اور ہندوؤں اور عیسائیوں تینوں قوموں کی اصلاح منظور ہے۔ اور جیسا کہ خدا نے مجھے مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے مسیح موعود کرکے بھیجا ہے ایسا ہی مَیں ہندوؤں کے لئے بطور اوتار کے ہوں اور مَیں عرصہ بیس برس سے یا کچھ زیادہ برسوں سے اِس بات کو شہرت دے رہا ہوں کہ مَیں ان گناہوں کے دُور کرنے کے لئے جن سے زمین پُر ہوگئی ہے جیسا کہ مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہوں ایسا ہی راجہ کرشن کے رنگ میں بھی ہوں جو ہندو مذہب کے تمام اوتاروں میں سے ایک بڑا اوتار تھا یا یوں کہنا چاہیئے کہ روحانی حقیقت کے رُو سے مَیں وہی ہوں یہ میرے خیال اور قیاس سے نہیں ہے بلکہ وہ خدا جو زمین و آسمان کا خدا ہے اُس نے یہ میرے پر ظاہر کیا ہے۔ اور نہ ایک دفعہ بلکہ کئی دفعہ مجھے بتلایا ہے کہ تو ہندوؤں کے لئے کرشن اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے مسیح موعود ہے۔ مَیں جانتا ہوں کہ جاہل مسلمان اس کو سُن کر فی الفور یہ کہیں گے کہ ایک کافر کا نام اپنے اوپر لے کر کفر کو صریح طور پر قبول کیا ہے۔ لیکن یہ خدا کی وحی ہے جس کے اظہار کے بغیر مَیں رہ نہیں سکتا اور آج یہ پہلا دن ہے کہ ایسے بڑے مجمع میں اس بات کو مَیں پیش کرتا ہوں کیونکہ جو لوگ خدا کی طرف سے ہوتے ہیں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔

اب واضح ہو کہ راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے درحقیقت ایک ایسا

۲۴ کامل انسان تھا جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رِشی اور اوتار میں نہیں پائی جاتی اور اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا جس پر خدا کی طرف سے رُوح القدس اُترتا تھا۔ وہ خدا کی طرف سے فتحمند اور بااقبال تھا جس نے آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے

صاف کیا۔ وہ اپنے زمانہ کا درحقیقت نبی تھا جس کی تعلیم کو پیچھے سے بہت باتوں میں بگاڑ دیا گیا۔ وہ خدا کی محبت سے پُر تھا اور نیکی سے دوستی اور شر سے دشمنی رکھتا تھا۔ خدا کا وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں اُس کا بروز یعنی اوتار پیدا کرے۔ سو یہ وعدہ میرے ظہور سے پورا ہوا۔ مجھے منجملہ اور الہاموں کے اپنی نسبت ایک یہ بھی الہام ہوا تھا کہ ہے کرشن رودّر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے۔ سو میں کرشن سے محبت کرتا ہوں کیونکہ میں اس کا مظہر ہوں۔ اور اس جگہ ایک اور راز درمیان میں ہے کہ جو صفات کرشن کی طرف منسوب کیے گئے ہیں (یعنی پاپ کا نشٹ کرنے والا اور غریبوں کی دلجوئی کرنے والا اور اُن کو پالنے والا) یہی صفات مسیح موعود کے ہیں پس گویا روحانیت کے رُو سے کرشن اور مسیح موعود ایک ہی ہیں صرف قومی اصطلاح میں تغایر ہے۔ اب میں بحیثیت کرشن ہونے کے آریہ صاحبوں کو اُن کی چند غلطیوں پر تنبیہ کرتا ہوں۔ اُن میں سے ایک تو وہی ہے جس کا ذکر میں پہلے بھی کر آیا ہوں کہ یہ طریق اور یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے کہ روحوں اور ذرات عالم کو جن کو پرکرتی یا پرمانو بھی کہتے ہیں۔ غیر مخلوق اور انادی سمجھا جائے۔ غیر مخلوق بجز اس پرمیشر کے کوئی بھی نہیں جو کسی دوسرے کے سہارے سے زندہ نہیں لیکن وہ چیزیں جو کسی دوسرے کے سہارے سے زندہ ہیں وہ غیر مخلوق نہیں ہوسکتیں۔ کیا رُوحوں کے گُن خود بخود ہیں اُن کا پیدا کرنیوالا کوئی نہیں؟ اگر یہی صحیح ہے تو رُوحوں کا جسموں میں داخل ہونا بھی خود بخود ہوسکتا ہے اور ذرات کا اکٹھے ہونا اور متفرق ہونا بھی خود بخود ہوسکتا ہے۔ اس طریق سے پرمیشر کا وجود ماننے کے لئے کوئی عقلی دلیل آپ کے ہاتھ میں نہیں رہے گی۔ کیونکہ اگر عقل اس بات کو قبول کرسکتی ہے کہ تمام ارواح مع اپنے تمام گنوں کے جو اُن کے اندر پائے جاتے ہیں۔ خود بخود ہیں۔ تو اس دوسری بات کو بھی بہت خوشی سے قبول کرلے گی کہ روحوں اور اجسام کا باہم اتصال یا انفصال بھی خود بخود ہے اور جبکہ خود بخود ہونے کی بھی راہ کھلی

۲۲۵

ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک راہ کھلی رکھی جاوے اور دوسری بند کی جاوے۔ یہ طریق کسی منطق سے بدھ نہیں ہو سکتا۔

پھر اس غلطی نے ایک اور غلطی میں آریہ صاحبوں کو پھنسا دیا ہے جس میں اُن کا خود نقصان ہے جیسا کہ پہلی غلطی میں پرمیشر کا نقصان ہے۔ اور وہ یہ کہ آریہ صاحبوں نے مکتی کو میعادی ٹھیرا دیا ہے اور تناسخ ہمیشہ کے لئے گلے کا ہار قرار دیا گیا ہے جس سے کبھی نجات نہیں۔ یہ بخل اور تنگ دلی خدائے رحیم و کریم کی طرف منسوب کرنا عقل سلیم تجویز نہیں کر سکتی۔ جس حالت میں پرمیشر کو ابدی نجات دینے کی قدرت تھی اور وہ سرب شکتی مان تھا تو کچھ سمجھ نہیں آتا کہ ایسا بخل اُس نے کیوں کیا کہ اپنی قدرت کے فیض سے بندوں کو محروم رکھا۔ اور پھر یہ اعتراض اور بھی مضبوط ہوتا ہے جبکہ دیکھا جاتا ہے کہ جن رُوحوں کو ایک طول طویل عذاب میں ڈالا ہے اور ہمیشہ کے لئے جُونیں بھگتنے کی مصیبت اُنکی قسمت میں لکھ دی ہے۔ وہ روحیں پرمیشور کی مخلوق بھی نہیں ہیں۔ اس کا جواب آریہ صاحبوں کی طرف سے یہ سُنا گیا ہے کہ پرمیشور ہمیشہ کی مکتی دینے پر قادر تو تھا۔ سرب شکتی مان جو ہُوا لیکن میعادی مکتی اس وجہ سے تجویز کی گئی کہ تا سلسلہ تناسخ کا ٹوٹ نہ جائے۔ کیونکہ جس حالت میں روحیں ایک تعداد مقررہ کے اندر ہیں اور اس سے زیادہ نہیں ہو سکتیں۔ پس ایسی صورت میں اگر دائمی مکتی ہوتی تو جُونوں کا سلسلہ قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ کیونکہ جو روح نجات ابدی پاکر مکتی خانہ میں گئی وہ تو گویا پرمیشر کے ہاتھ سے گئی اور اس روزمرّہ کے خرچ کا آخری نتیجہ ضرور یہ ہوتا تھا کہ ایک دن ایک رُوح بھی جُونوں میں ڈالنے کے لئے پرمیشور کے ہاتھ میں نہ رہتی اور کسی دن یہ شغل تمام ہو کر پرمیشور معطّل ہو کر بیٹھ جاتا۔ پس ان مجبوریوں کی وجہ سے پرمیشور نے یہ انتظام کیا کہ مکتی کو ایک حد تک محدود رکھا۔ اور پھر اسی جگہ ایک اور اعتراض ہوتا تھا کہ پرمیشر بے گناہوں کو جو ایک دفعہ مکتی پا چکے اور گناہوں سے صاف ہو چکے پھر مکتی خانہ سے کیوں بار بار نکالتا ہے۔ اس اعتراض کو پرمیشر نے اس طرح

ص ۲۰۶

دفعہ گیا کہ ہر ایک شخص جس کو مکتی خانہ میں داخل کیا ایک گناہ اس کے ذمہ رکھ لیا۔ اُسی گناہ کی سزا میں آخر کار ہر ایک رُوح مکتی خانہ سے نکالی جاتی ہے۔

یہ ہیں اصول آریہ صاحبوں کے۔ اب انصاف کرنا چاہیئے کہ جو شخص ان مجبوریوں میں پھنسا ہوا ہے اس کو پرمیشر کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ بڑا افسوس ہے کہ آریہ صاحبوں نے ایک صاف مسئلہ خالقیت باری تعالیٰ سے انکار کرکے اپنے تئیں بڑی مشکلات میں ڈال لیا اور پرمیشر کے کاموں کو اپنے نفس کے کاموں پر قیاس کرکے اس کی توہین بھی کی اور یہ نہ سوچا کہ خدا ہر ایک صفت میں مخلوق سے الگ ہے اور مخلوق کے پیمانۂ صفات سے خدا کو ناپنا یہ ایک ایسی غلطی ہے جس کو اہل مناظرہ قیاس مع الفارق کہتے ہیں اور یہ کہنا کہ نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی یہ تو مخلوق کے کاموں کی نسبت عقل کا ایک ناقص تجربہ ہے۔ پس اسی قاعدہ کے نیچے خدا کی صفات کو بھی داخل کرنا اگر نا سمجھی نہیں تو اور کیا ہے۔ خدا بغیر جسمانی زبان کے بولتا ہے اور بغیر جسمانی کانوں کے سُنتا ہے اور بغیر جسمانی آنکھوں کے دیکھتا ہے۔ اسی طرح وہ بغیر جسمانی لوازم کے پیدا بھی کرتا ہے۔ اس کو مادہ کے لئے مجبور کرنا گویا خدائی صفات سے معطل کرنا ہے۔ اور پھر اس عقیدہ میں ایک اور بھاری فساد ہے کہ یہ عقیدہ انادی ہونے کی صفت میں ذرّہ ذرّہ کو خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے۔ اور بُت پرست تو چند بُتوں کو ہی خدا کے شریک قرار دیتے تھے مگر اس عقیدہ کے رُو سے تمام دنیا ہی خدا کی شریک ہے۔ کیونکہ ہر ایک ذرّہ اپنے وجود کا آپ ہی خدا ہے۔ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ مَیں یہ باتیں کسی بغض اور عداوت سے نہیں کہتا بلکہ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ وید کی اصل تعلیم یہ ہرگز نہیں ہوگی۔ مجھے معلوم ہے کہ خودرو فلسفیوں کے ایسے عقیدے تھے جن میں سے بہت سے لوگ آخر کار دہریہ ہو گئے۔ اور مجھے خوف ہے کہ اگر آریہ صاحبوں نے اس عقیدہ سے دست کشی نہ کی تو ان کا انجام بھی یہی ہوگا۔ اور اس عقیدہ کی شاخ جو تناسخ ہے وہ بھی خدا کے رحم اور فضل پر سخت دھبہ لگاتی ہے کیونکہ

جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دو تین بالشت کے جگہ میں مثلاً چیونٹیاں اتنی ہوتی ہیں کہ کئی ارب سے زائد ہو جاتی ہیں اور ہر ایک قطرۂ پانی میں کئی ہزار کیڑا ہوتا ہے اور دریا اور سمندر اور جنگل طرح طرح کے حیوانات اور کیڑوں سے بھرے ہوئے ہیں جن کی طرف ہم انسانی تعداد کو کچھ بھی نسبت نہیں دے سکتے۔ اس صورت میں خیال آتا ہے کہ اگر بفرض محال تناسخ صحیح ہے تو اب تک پرمیشر نے بنایا کیا؟ اور کس کو مکتی دی اور آئندہ کیا امید رکھی جائے؟

ماسوا اس کے یہ قانون بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ سزا تو دی جائے مگر سزا یافتہ شخص کو جرم پر اطلاع نہ دی جائے۔ اور پھر ایک نہایت مصیبت کی جگہ یہ ہے کہ مکتی تو گیان پر موقوف ہے اور گیان ساتھ ساتھ برباد ہوتا رہتا ہے اور کوئی کسی جون میں آنے والا خواہ کیسا ہی پنڈت کیوں نہ ہو کوئی حصہ وید کا یاد نہیں رکھتا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ جونوں کے ذریعہ سے مکتی پانا ہی محال ہے۔ اور جو جونوں کے چکر میں پڑ کر مرد اور عورتیں دنیا میں آتی ہیں ان کے ساتھ کوئی ایسی فہرست نہیں آتی جس سے ان کے رشتوں کا حال معلوم ہوتا کوئی بیچارہ کسی ایسی نوزاد کو اپنی شادی میں نہ لائے جو دراصل اس کی ہمشیرہ یا ماں ہے۔

اور نیوگ کا مسئلہ جو آجکل آریہ صاحبوں میں رائج ہے اس کی نسبت تو ہم بار بار یہی نصیحت کرتے ہیں کہ اس کو جہاں تک ممکن ہو ترک کر دینا چاہیئے۔ انسانی سرشت ہرگز قبول نہ کرے گی کہ ایک شخص اپنی عزت دار عورت کو جس پر اس کے تمام ننگ و ناموس کا مدار ہے باوجود اپنے جائز خاوند ہونے کے اور باوجود اس علاقہ کے قائم ہونے کے جو زن و شوہر میں ہوتا ہے۔ پھر اپنی پاکدامن بیوی کو اولاد کی خواہش سے دوسروں سے ہم بستر کرادے۔ اس بارہ میں ہم زیادہ لکھنا نہیں چاہتے صرف شریف انسانوں کے کانشنس پر چھوڑتے ہیں۔ بایں ہمہ آریہ صاحبان اس کوشش میں ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے اس مذہب کی دعوت کریں۔ سو ہم کہتے ہیں کہ ہر ایک عقلمند سچائی کے قبول

کرنے کیلئے تیار ہوتا ہے مگر یہ سچائی نہیں ہے کہ اس خدا کو جس نے اپنی بزرگ قدرتوں سے اپنی ہستی کو ظاہر فرمایا ہے خالقیت سے جواب دیا جاوے اور اس کو تمام فیضوں کا مظہر نہ سمجھا جائے۔ ایسا پرمیشور ہرگز پرمیشور نہیں ہو سکتا۔ انسان نے خدا کو اُس کی قدرتوں سے شناخت کیا ہے۔ جب کوئی قدرت اس میں نہیں رہی اور وہ بھی ہماری طرح اسباب کا محتاج ہے تو پھر اس کی شناخت کا دروازہ بند ہو جائیگا۔

پھر ماسوا اس کے خدا تعالیٰ اپنے احسانات کی وجہ سے قابلِ عبادت ہے مگر جبکہ اُس نے رُوحوں کو پیدا ہی نہیں کیا اور نہ اس میں بغیر عمل کسی عامل کے فضل اور احسان کرنے کی صفت موجود ہے تو ایسا پرمیشور کس وجہ سے قابلِ عبادت ٹھہرے گا؟ جہاں تک ہم غور کرتے ہیں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آریہ صاحبوں نے اپنے مذہب کا اچھا نمونہ پیش نہیں کیا۔ پرمیشر کو ایسا کمزور اور کینہ ور ٹھہرایا کہ وہ کروڑہا ارب سزا دے کر پھر بھی دائمی مکتی نہیں دیتا۔ اور غصہ اُس کا کبھی فرو نہیں ہوتا۔ اور آریہ صاحبوں نے قومی تہذیب پر نیوگ کا ایک سیاہ داغ لگا دیا ہے۔ اور اس طرح پر انہوں نے غریب عورتوں کی عزت پر بھی حملہ کیا۔ اور دونوں پہلو حق اللہ اور حق العباد میں قابلِ شرم فساد ڈال دیا۔ یہ مذہب پرمیشر کو معطّل کرنے کے لحاظ سے دہریوں سے بہت قریب ہے۔ اور نیوگ کے لحاظ سے ایک ناقابلِ ذکر قوم سے قریب۔

ص۳۰

اِس جگہ مجھے بہت درد دل سے یہ کہنے کی بھی ضرورت پڑی ہے کہ یوں تو اکثر حضرات آریہ صاحبان اور مسیحی صاحبوں کو اسلام کے سچے اور کامل اصولوں پر بے جا حملہ کرنے کی بہت عادت ہے مگر وہ اپنے مذہب میں روحانیت پیدا کرنے سے بہت غافل ہیں مذہب اس بات کا نام نہیں ہے کہ انسان دنیا کے تمام اکابر اور نبیوں اور رسولوں کو بدگوئی سے یاد کرے۔ ایسا کرنا تو مذہب کی اصل غرض سے مخالف ہے بلکہ مذہب سے غرض یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو ہر ایک بدی سے پاک کرکے اِس لائق بنا دے

کہ اس کی رُوح ہر وقت خدا تعالےٰ کے آستانہ پر گری رہے۔ اور یقین اور محبت اور معرفت اور صدق اور وفا سے بھر جائے اور اس میں ایک خاص تبدیلی پیدا ہو جائے تا اِسی دنیا میں بہشتی زندگی اُس کو حاصل ہو۔ لیکن ایسے عقیدوں سے حقیقی نیکی کب اور کس طرح حاصل ہو سکتی ہے جس میں انسانوں کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ صرف خونِ مسیح پر ایمان لاؤ اور پھر اپنے دلوں میں سمجھ لو کہ گناہوں سے پاک ہو گئے۔ یہ کس قسم کا پاک ہونا ہے جس میں تزکیہ نفس کی کچھ بھی ضرورت نہیں۔ بلکہ حقیقی پاکی تب حاصل ہوتی ہے جب انسان گندی زندگی سے توبہ کر کے ایک پاک زندگی کا خواہاں ہو۔ اور اس کے حصول کے لئے صرف تین باتیں ضروری ہیں۔ ایکؔ تدبیر اور مجاہدہ کہ جہاں تک ممکن ہو گندی زندگی سے باہر آنے کیلئے کوشش کرے۔ اور دوسؔری دُعا کہ ہر وقت جنابِ الٰہی میں نالاں رہے۔ تا وہ گندی زندگی سے اپنے ہاتھ سے اس کو باہر نکالے اور ایک ایسی آگ اس میں پیدا کرے جو بدی کے خس و خاشاک کو بھسم کر دے اور ایک ایسی قوت عنایت کرے جو نفسانی جذبات پر غالب آجاوے اور چاہیئے کہ اسی طرح دُعا میں لگا رہے جب تک کہ وہ وقت آ جاوے کہ ایک الٰہی نور اُس کے دل پر نازل ہو اور ایک ایسا چمکتا ہوا شعاع اُس کے نفس پر گرے کہ تمام تاریکیوں کو دُور کر دے اور اُس کی کمزوریاں دُور فرمائے اور اُس میں پاک تبدیلی پیدا کرے۔ کیونکہ دُعاؤں میں بلاشبہ تاثیر ہے۔ اگر مُردے زندہ ہو سکتے ہیں تو دعاؤں سے اور اگر اسیر رہائی پا سکتے ہیں تو دُعاؤں سے اور اگر گندے پاک ہو سکتے ہیں تو دُعاؤں سے۔ مگر دُعا کرنا اور مرنا قریب قریب ہے۔ تیسؔرا طریق صحبت کاملین اور صالحین ہے۔ کیونکہ ایک چراغ کے ذریعہ سے دوسرا چراغ روشن ہو سکتا ہے۔ غرض یہ تین طریق ہی گناہوں سے نجات پانے کے ہیں۔ جن کے اجتماع سے آخرکار فضل شاملِ حال ہو جاتا ہے۔ نہ یہ کہ خونِ مسیح کا عقیدہ قبول کر کے آپ ہی اپنے دل میں سمجھ لیں کہ ہم گناہوں سے نجات پا گئے۔ یہ تو اپنے تئیں آپ دھوکا دینا ہے۔ انسان ایک بڑے مطلب کیلئے

پیدا کیا گیا ہے اور اس کا کمال صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ وہ گناہوں کو چھوڑ دے بہت سے جانور کچھ بھی گناہ نہیں کرتے تو کیا وہ کامل کہلا سکتے ہیں؟ اور کیا ہم کسی سے اس طرح پر کوئی انعام حاصل کر سکتے ہیں کہ ہم نے تیرا کوئی گناہ نہیں کیا۔ بلکہ مخلصانہ خدمات سے انعام حاصل ہوتے ہیں اور وہ خدمت خدا کی راہ میں یہ ہے کہ انسان صرف اُسی کا ہو جائے اور اس کی محبت سے تمام محبتوں کو توڑ دے اور اُس کی رضا کے لئے اپنی رضا چھوڑ دے۔ اس جگہ قرآن شریف نے خوب مثال دی ہے اور وہ یہ کہ کوئی مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ دو شربت نہ پی لے۔ پہلا شربت گناہ کی محبت ٹھنڈی ہونے کا جس کا نام قرآن شریف نے شربت کافوری رکھا ہے۔ اور دوسرا شربت خدا کی محبت دل میں بھرنے کا جس کا نام قرآن شریف نے شربت زنجبیلی رکھا ہے۔ لیکن افسوس کہ عیسائی صاحبوں اور آریہ صاحبوں نے اس راہ کو اختیار نہ کیا آریہ صاحبان تو اس طرف جھک گئے ہیں کہ گناہ بہر حالت خواہ توبہ ہو یا نہ ہو قابل سزا ہے جس سے بے شمار جونیں بھگتنی پڑیں گی۔ اور عیسائی صاحبان گناہ سے نجات پانے کی وہ راہ بیان فرماتے ہیں جو ابھی میں ذکر کر چکا ہوں۔ دونوں فریق اصل مطلب سے دُور پڑ گئے ہیں اور جس دروازہ سے داخل ہونا تھا اس کو چھوڑ کر دُور دُور جنگلوں میں سرگردان ہیں۔

یہ تو مَیں نے آریہ صاحبوں کی خدمت میں گذارش کی ہے اور مسیحی صاحبان جو بڑی کوشش سے اپنے مذہب کی دنیا میں اشاعت کر رہے ہیں اُن کی حالت آریہ صاحبوں سے زیادہ قابلِ افسوس ہے۔ آریہ صاحبان تو اس زمانہ میں یہ کوشش کر رہے ہیں کہ کسی طرح اپنے پُرانے مذہب مخلوق پرستی سے نکلیں اور عیسائی صاحبان اس کوشش میں ہیں کہ مخلوق پرستی میں نہ صرف آپ بلکہ تمام دنیا کو داخل کر دیں محض زبردستی اور تحکم کے طور پر حضرت مسیحؑ کو خدا بنایا جاتا ہے۔ اُن میں کوئی بھی ایک ایسی خاص طاقت

صـ۴۳

ثابت نہیں ہوتی جو دوسرے نبیوں میں پائی نہ جائے بلکہ بعض دوسرے نبی معجزہ نمائی میں اُن سے بڑھ کر تھے اور اُن کی کمزوریاں گواہی دے رہی ہیں کہ وہ محض انسان تھے۔ انہوں نے اپنی نسبت کوئی ایسا دعویٰ نہیں کیا جس سے وہ خدائی کے مدعی ثابت ہوں اور جس قدر اُنکے کلمات ہیں جن سے اُن کی خدائی سمجھی جاتی ہے ایسا سمجھنا غلطی ہے۔ اس رنگ کے ہزاروں کلمات اللہ خدا کے نبیوں کے حق میں بطور استعارہ اور مجاز کے ہوتے ہیں اُن سے خدائی نکالنا کسی عقلمند کا کام نہیں بلکہ انہیں کا کام ہے جو خواہ نخواہ انسان کو خدا بنانے کا شوق رکھتے ہیں اور مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میری وحی اور الہام میں اُن سے بڑھ کر کلمات ہیں۔ پس اگر ان کلمات سے حضرت مسیح کی خدائی ثابت ہوتی ہے تو پھر مجھے بھی (نعوذ باللہ) حق حاصل ہے کہ یہی دعویٰ میں بھی کروں۔ سو یاد رکھو کہ خدائی کے دعویٰ کی حضرت مسیح پر سراسر تہمت ہے۔ انہوں نے ہرگز ایسا دعویٰ نہیں کیا۔ جو کچھ انہوں نے اپنی نسبت فرمایا ہے وہ لفظ شفاعت کی حد سے بڑھتے نہیں۔ سو نبیوں کی شفاعت سے کس کو انکار ہے۔ حضرت موسیٰ کی شفاعت سے کئی مرتبہ بنی اسرائیل بھڑکتے ہوئے عذاب سے نجات پا گئے۔ اور مَیں خود اِس میں صاحب تجربہ ہوں۔ اور میری جماعت کے اکثر معزز خوب جانتے ہیں کہ میری شفاعت سے بعض مصائب اور امراض کے مبتلا اپنے دکھوں سے رہائی پا گئے اور یہ خبریں اُن کو پہلے سے دی گئی تھیں۔ اور مسیح کا اپنی امت کی نجات کے لئے مصلوب ہونا اور امت کا گناہ اُن پر ڈالے جانا ایک ایسا مہمل عقیدہ ہے جو عقل سے ہزاروں کوس دُور ہے خدا کی صفات عدل اور انصاف سے یہ بہت بعید ہے کہ گناہ کوئی کرے اور سزا کسی دوسرے کو دی جائے۔ غرض یہ عقیدہ غلطیوں کا ایک مجموعہ ہے۔ خدائے واحد لاشریک کو چھوڑنا اور مخلوق کی پرستش کرنا عقلمندوں کا کام نہیں ہے اور تین مستقل اور کامل اقنوم قرار دینا جو سب جلال اور قوت میں برابر ہیں اور پھر ان تینوں کی

۴۴

ترکیب سے ایک کامل خدا بنانا یہ ایک ایسی منطق ہے جو دنیا میں مسیحیوں کے ساتھ ہی خاص ہے۔ پھر جانے افسوس تو یہ ہے کہ جس غرض کے لئے یہ نیا منصوبہ بنایا گیا تھا یعنی گناہ سے نجات پانا اور دنیا کی گندی زندگی سے رہائی حاصل کرنا وہ غرض بھی تو حاصل نہیں ہوئی۔ بلکہ کفارہ سے پہلے جیسے حواریوں کی صاف حالت تھی اور وہ دنیا اور دنیا کے درہم و دینار سے کچھ غرض نہ رکھتے تھے اور دنیا کے گندوں میں پھنسے ہوئے نہ تھے۔ اور اُن کی کوشش دنیا کے کمانے کے لئے نہیں تھی اِس قسم کے دل بعد کے لوگوں کے کفارہ کے بعد کہاں رہے۔ خاص کر اِس زمانہ میں جسقدر کفارہ اور خونِ مسیح پر زور دیا جاتا ہے۔ اسی قدر عیسائیوں میں دنیا کی گرفتاری بڑھتی جاتی ہے اور اکثر اُن کے ایک مخمور کی طرح سراسر دن رات دنیا کے شغل میں لگے رہتے ہیں۔ اور اسجگہ دوسرے گناہوں کا ذکر کرنا جو یورپ میں پھیل رہے ہیں خاص کر شراب خواری اور بدکاری اس ذکر کی کچھ حاجت نہیں۔

۴۵

اَب مَیں عام سامعین کی خدمت میں اپنے دعوے کے ثبوت میں کچھ بیان کر کے اِس تقریر کو ختم کرونگا۔ اے معزز سامعین! خدا تعالیٰ حق کے قبول کرنے کے لئے آپ صاحبوں کے سینوں کو کھولے اور آپ کو حق فہمی کا الہام کرے۔ یہ بات آپ کو معلوم ہوگی کہ ہر ایک نبی اور رسول اور خدا تعالیٰ کا فرستادہ جو لوگوں کی اصلاح کے لئے آتا ہے اگرچہ اس کی اطاعت کرنے کے لئے عقل کی رُو سے اس قدر کافی ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے وہ حق حق ہو اس میں کسی قسم کا دھوکا اور فریب کی بات نہ ہو کیونکہ عقل سلیم حق کے قبول کرنے کے لئے کسی معجزہ کی ضرورت نہیں سمجھتی لیکن چونکہ انسانی فطرت میں ایک قوت واہمہ بھی ہے کہ باوجود اس بات کے کہ ایک امر فی الواقعہ صحیح اور سچّا اور حق ہو پھر بھی انسان کو وہم اٹھتا ہے کہ شاید بیان کرنے والے کی کوئی خاص غرض نہ ہو۔ یا اُس نے دھوکا نہ کھایا ہو یا دھوکا نہ دیا ہو۔ اور کبھی بوجہ

اس کے معمولی انسان ہونے کے اُس کی بات کی طرف توجہ بھی نہیں ہوتی اور اُس کو حقیر
اور ذلیل سمجھا جاتا ہے۔ اور کبھی شہوات نفسِ امّارہ کا اِس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ گو سمجھ بھی
آجاوے کہ جو فرمایا گیا ہے وہ سب سچ ہے تاہم نفس اپنے ناپاک جذبات کا ایسا
مغلوب ہوتا ہے کہ وہ اس راہ پر چل ہی نہیں سکتا جس پر واعظ ناصح چلانا چاہتا ہے
اور یا فطرتی کمزوری قدم اُٹھانے سے روک دیتی ہے پس اِس لئے حکمتِ الٰہی نے تقاضا
فرمایا کہ جو لوگ اُس کی طرف سے مخصوص ہو کر آتے ہیں اُن کے ساتھ کچھ نصرتِ الٰہی
کے نشان بھی ہوں جو کبھی رحمت کے رنگ میں اور کبھی عذاب کے رنگ میں ظاہر ہوتے
رہیں۔ اور وہ لوگ انہیں نشانوں کی وجہ سے خدا کی طرف سے بشیر اور نذیر
کہلاتے ہیں۔ مگر رحمت کے نشانوں سے وہ مومن حصّہ لیتے ہیں جو خدا کے حکموں کے
مقابل پر تکبر نہیں کرتے اور خدا کے فرستادہ لوگوں کو تحقیر اور توہین سے نہیں دیکھتے اور
اپنی فراست خدا داد سے اُن کو پہچان لیتے ہیں اور تقویٰ کی راہ کو محکم پکڑ کر بہت ضد
نہیں کرتے اور نہ دنیا داری کے تکبّر اور جھوٹی وجاہتوں کی وجہ سے کنارہ کش رہتے ہیں بلکہ
جب دیکھتے ہیں کہ سنّت انبیاء کے موافق ایک شخص اپنے وقت پر اُٹھا ہے جو خدا کی
طرف بلاتا ہے اور اُس کی باتیں ایسی ہیں کہ اُن کی صحت ماننے کے لئے ایک راہ موجود
ہے اور اس میں نصرتِ الٰہی اور تقویٰ اور دیانت کے نشان پائے جاتے ہیں اور سُننِ انبیاء
علیہم السّلام کے پیمانہ کے رُو سے اُس کے قول یا فعل پر کوئی اعتراض نہیں آتا تو ایسے
انسان کو قبول کر لیتے ہیں۔ بلکہ بعض سعید ایسے بھی ہیں کہ چہرہ دیکھ کر پہچان جاتے ہیں
کہ یہ کذّاب اور مکّار کا چہرہ نہیں۔ پس ایسے لوگوں کے لئے رحمت کے نشان ظاہر ہوتے
ہیں اور وہ دمبدم ایک صادق کی صحبت سے ایمانی قوت پا کر اور پاک تبدیلیوں کا
مشاہدہ کر کے تازہ بتازہ نشانوں کو دیکھتے رہتے ہیں اور تمام حقائق اور معارف اور
تمام نصرتیں اور تمام تائیدیں اور تمام قسم کے اعلام غیب اُن کے حق میں نشان ہی ہوتے

ہیں۔ اور وہ لطافتِ ذہن کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی دقیق در دقیق نصرتوں کو اُس فرستادہ کی نسبت محسوس کرکے باریک در باریک نشانوں پر بھی اطلاع پا لیتے ہیں۔ لیکن اُنکے مقابل پر وہ لوگ بھی ہیں جن کو رحمت کے نشانوں میں سے حصہ لینا نصیب نہیں۔ جیساکہ نوحؑ کی قوم نے بجز غرق کرنے کے معجزہ کے اور کسی نوع کے معجزہ سے حصّہ نہ لیا۔ اور لُوط کی قوم نے بجز اس معجزہ کے جو اُن کی زمین زیر و زبر کی گئی اور اُن پر پتھر برسائے گئے اَور کسی معجزہ سے فائدہ نہ اٹھایا۔ ایسا ہی اس زمانہ میں خدا نے مجھے مامور فرمایا۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ اس زمانہ کے اکثر لوگوں کی طبیعتیں نوحؑ کی قوم سے ملتی ہیں۔ کئی سال گذرے کہ میرے لئے آسمان پہ دوؔ نشان ظاہر ہوئے تھے کہ جو خاندانِ نبوت کی روایت سے ایک پیشگوئی تھی۔ اور وہ یہ کہ جب امام آخرالزمان دنیا میں ظاہر ہوگا تو اس کے لئے دوؔ نشان ظاہر ہونگے جو کبھی کسی کے لئے ظاہر نہیں ہوئے یعنی یہ کہ آسمان پر رمضان کے مہینہ میں چاند گرہن ہوگا۔ اور وہ گرہن چاند گرہن کی معمولی راتوں میں سے پہلی رات میں ہوگا۔ اور اُن دنوں میں رمضان میں ہی سورج گرہن بھی ہوگا۔ اور وہ گرہن سورج گرہن کے معمولی دنوں میں سے بیچ کے دن میں ہوگا۔ اور یہ پیشگوئی سُنیوں اور شیعوں میں متفق علیہ تھی اور لکھا تھا کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے کبھی ایسا ظہور میں نہیں آیا کہ مدعی امامت موجود ہو اور اس کے عہد میں یہ دونوں واقعہ انہیں تاریخوں میں ظہور پذیر ہوں۔ لیکن امام آخرالزمان کے عہد میں ایسا ہی ہوگا اور یہ نشان اسی سے خاص ہوگا۔ اور یہ پیشگوئی ان کتابوں میں لکھی گئی تھی جو آج سے ہزار برس پہلے دنیا میں شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن جب یہ پیشگوئی میرے دعوئ امامت کیے وقت میں ظاہر ہوئی تو کسی نے اس کو قبول نہ کیا اور ایک شخص نے بھی اس عظیم الشان پیشگوئی کو دیکھ کر میری بیعت نہ کی بلکہ گالیاں دینے اور ٹھٹھا کرنے میں قدم بھی بڑھ گئے۔ میرا نام دجّال اور کافر اور کذّاب وغیرہ رکھا۔ یہ اس لئے ہوا کہ یہ پیشگوئی بطور

عذاب نہ تھی بلکہ رحمتِ الٰہی نے قبل از وقت ایک نشان دیا تھا۔ لیکن لوگوں نے اس نشان سے کچھ بھی فائدہ نہ اٹھایا اور کچھ بھی ان کے دلوں کو میری طرف توجہ نہ ہوئی گویا وہ نشان ہی نہیں تھا۔ ایک لغو پیشگوئی تھی جو کی گئی۔ پھر بعد اس کے جب منکروں کی شوخی حد سے بڑھ گئی تو خدا نے ایک عذاب کا نشان زمین پر دکھلایا۔ جیسا کہ ابتداء سے نبیوں کی کتابوں میں لکھا گیا تھا۔ اور وہ عذاب کا نشان **طاعون** ہے جو چند سال سے اس ملک کو کھا رہی ہے اور کوئی انسانی تدبیر اس کے آگے چل نہیں سکتی۔ اس طاعون کی خبر قرآن شریف میں صریح لفظوں میں موجود ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِن مِّن قَرْیَۃٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا[۱] یعنی قیامت سے کچھ دن پہلے بہت سخت مری پڑے گی اور اس سے بعض دیہات تو بالکل نابود ہو جائیں گے اور بعض ایک حد تک عذاب اٹھا کر بچ رہیں گے۔ اور ایسا ہی ایک دوسری آیت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب قرب قیامت ہوگا ہم زمین میں سے ایک کیڑا نکالیں گے جو لوگوں کو کاٹے گا۔ اس لئے کہ انہوں نے ہمارے نشانوں کو قبول نہیں کیا۔ یہ دونوں آیتیں قرآن شریف میں موجود ہیں۔ اور یہ صریح طور پر طاعون کی نسبت پیشگوئی ہے۔ کیونکہ طاعون بھی ایک کیڑا ہے اگرچہ پہلے طبیبوں نے اس کیڑے پر اطلاع نہیں پائی۔ لیکن خدا جو عالم الغیب ہے وہ جانتا تھا کہ طاعون کی جڑھ اصل میں کیڑا ہی ہے جو زمین میں سے نکلتا ہے۔ اس لئے اس کا نام **دَابَّۃُ الْاَرْض** رکھا۔ یعنی زمین کا کیڑا۔ غرض جب نشان عذاب ظاہر ہوا اور ہزاروں جانیں پنجاب میں تلف ہو گئیں اور اس ملک میں ایک ہولناک زلزلہ پڑا تب بعض لوگوں کو ہوش آئی اور چند عرصہ میں دو لاکھ کے قریب لوگوں نے بیعت کر لی اور ابھی زور سے بیعت ہو رہی ہے کیونکہ طاعون نے ابھی اپنا حملہ نہیں چھوڑا اور چونکہ وہ بطور نشان کے ہے اس لئے جب تک اکثر لوگ اپنے اندر کچھ

۴۹

[۱] بنی اسرائیل: ۵۹

تبدیلی پیدا نہیں کرینگے تب تک اُمید نہیں کہ یہ مرض اس ملک سے دُور ہو سکے۔ غرض یہ سرزمین نوحؑ کے زمانہ کی سرزمین سے بہت مشابہ ہے کہ آسمان کے نشانوں کو دیکھ کر تو کوئی ایمان نہ لایا۔ اور عذاب کے نشان کو دیکھکر ہزاروں بیعت میں داخل ہوئے اور پہلے نبیوں نے بھی اس نشان طاعون کا ذکر کیا ہے۔ انجیل میں بھی مسیح موعود کے وقت میں مری پڑنے کا ذکر ہے اور لڑائیوں کا بھی ذکر ہے جو اَب ہو رہی ہیں۔

مسئلہ

پس اے مسلمانو! توبہ کرو۔ تم دیکھتے ہو کہ ہر سال تمہارے عزیزوں کو یہ طاعون تم سے جُدا کر رہی ہے۔ خدا کی طرف جھکو تا وہ بھی تمہاری طرف جھکے اور ابھی معلوم نہیں کہ کہاں تک طاعون کا دَور ہے اور کیا ہونے والا ہے۔ میرے دعوے کی نسبت اگر شبہ ہو اور حق جوئی بھی ہو تو اس شبہ کا دُور ہونا بہت سہل ہے کیونکہ ہر ایک نبی کی سچائی تین طریقوں سے پہچانی جاتی ہے۔

اوّل عقل سے۔ یعنی یہ دیکھنا چاہیئے کہ جس وقت وہ نبی یا رسول آیا ہے عقل سلیم گواہی دیتی ہے یا نہیں کہ اس وقت اُس کے آنے کی ضرورت بھی تھی یا نہیں اور انسانوں کی حالت موجودہ چاہتی تھی یا نہیں کہ ایسے وقت میں کوئی مصلح پیدا ہو۔

دوسرے پہلے نبیوں کی پیشگوئی۔ یعنی دیکھنا چاہیئے کہ پہلے کسی نبی نے اُس کے حق میں یا اُس کے زمانہ میں کسی کے ظاہر ہونے کی پیشگوئی کی ہے یا نہیں۔

تیسرے نصرتِ الٰہی اور تائیدِ آسمانی یعنی دیکھنا چاہیئے کہ اس کے شاملِ حال کوئی تائید آسمانی بھی ہے یا نہیں؟

یہ تین علامتیں سچے مامور من اللہ کی شناخت کے لئے قدیم سے مقرر ہیں۔ اب اے دوستو! خدا نے تم پر رحم کر کے یہ تینوں علامتیں میری تصدیق کے لئے ایک ہی جگہ جمع کر دی ہیں۔ اب چاہو تم قبول کرو یا نہ کرو۔ اگر عقل کی رُو سے نظر کرو تو عقلِ سلیم فریاد کر رہی ہے اور رو رہی ہے کہ مسلمانوں کو اِس وقت ایک آسمانی مصلح کی ضرورت ہے

اندرونی اور بیرونی حالتیں دونوں خوفناک ہیں اور مسلمان گویا ایک گڑھے کے قریب کھڑے ہیں یا ایک تند سیل کی زد پر آپڑے ہیں۔ اگر پہلی پیشگوئیوں کو تلاش کرو تو دانیال نبی نے بھی میری نسبت اور میرے اِس زمانہ کی نسبت پیشگوئی کی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ اسی امت میں سے مسیح موعود پیدا ہوگا۔ اگر کسی کو معلوم نہ ہو تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو دیکھ لے اور صدی کے سر پر مجدد آنے کی پیشگوئی بھی پڑھ لے۔ اور اگر میری نسبت نصرتِ الٰہی کو تلاش کرنا چاہے تو یاد رہے کہ اب تک ہزارہا نشان ظاہر ہو چکے ہیں۔

منجملہ ان کے وہ نشان ہے جو آج سے چوبیس برس پہلے براہین احمدیہ میں لکھا گیا اور اُس وقت لکھا گیا جبکہ ایک فرد بشر بھی مجھ سے تعلق بیعت نہیں رکھتا تھا اور نہ میرے پاس سفر کرکے کوئی آتا تھا۔ اور وہ نشان یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ یاتیک من کلّ فجّ عمیق۔ یاتون من کلّ فجّ عمیق۔ یعنی وہ وقت آتا ہے کہ مالی تائیدیں ہر ایک طرف سے تجھے پہنچیں گی۔ اور ہزارہا مخلوق تیرے پاس آئے گی۔ اور پھر فرماتا ہے ولا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس یعنی اسقدر مخلوق آئیگی کہ تو اُن کی کثرت سے حیران ہو جائیگا۔ پس چاہیئے کہ تو اُن سے بد اخلاقی نہ کرے اور نہ ان کی ملاقاتوں سے تھکے۔

پس اے عزیزو! اگرچہ آپ کو یہ تو خبر نہیں کہ قادیان میں میرے پاس کس قدر لوگ آئے اور کیسی وضاحت سے وہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ لیکن اسی شہر میں آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ میرے آنے پر میرے دیکھنے کے لئے ہزارہا مخلوقات اس شہر کی ہی اسٹیشن پر جمع ہوگئی تھی اور صدہا مردوں اور عورتوں نے اِسی شہر میں بیعت کی اور میں وہی شخص ہوں جو براہین احمدیہ کے زمانہ سے تخمیناً سات آٹھ سال پہلے اِسی شہر میں قریباً سات برس رہ چکا تھا اور کسی کو مجھ سے تعلق نہ تھا اور نہ کوئی میرے حال سے

واقف تھا۔ پس اب سوچو اور غور کرو کہ میری کتاب براہین احمدیہ میں اس شہرت اور رجوع خلائق سے چوبیس سال پہلے میری نسبت ایسے وقت میں پیشگوئی کی گئی ہے کہ جبکہ میں لوگوں کی نظر میں کسی حساب میں نہ تھا۔ اگرچہ میں جیسا کہ مَیں نے بیان کیا براہین کی تالیف کے زمانہ کے قریب اسی شہر میں قریباً سات سال رہ چکا۔ تاہم آپ صاحبوں میں ایسے لوگ کم ہونگے جو مجھ سے واقفیت رکھتے ہوں کیونکہ مَیں اس وقت ایک گمنام آدمی تھا اور احدٌ من النّاس تھا اور میری کوئی عظمت اور عزت لوگوں کی نگاہ میں نہ تھی۔ مگر وہ زمانہ میرے لئے نہایت شیریں تھا کہ انجمن میں خلوت تھی۔ اور کثرت میں وحدت تھی اور شہر میں مَیں ایسا رہتا تھا جیسا کہ ایک شخص جنگل میں۔ مجھے اس زمین سے ویسی ہی محبت ہے جیسا کہ قادیان سے کیونکہ مَیں اپنے اوائل زمانہ کی عمر میں سے ایک حصہ اس میں گذار چکا ہوں اور شہر کی گلیوں میں بہت سا پھر چکا ہوں۔ میرے اس زمانہ کے دوست اور مخلص اس شہر میں ایک بزرگ ہیں یعنی حکیم حسام الدین صاحب جن کو اس وقت بھی مجھ سے بہت محبت ہی ہے وہ شہادت دے سکتے ہیں کہ وہ کیسا زمانہ تھا اور کیسی گمنامی کے گڑھے میں میرا وجود تھا۔ اب مَیں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ ایسے زمانہ میں ایسی عظیم الشان پیشگوئی کرنا کہ ایسے گمنام کا آخر کار یہ عروج ہوگا کہ لاکھوں لوگ اُس کے تابع اور مرید ہو جائیں گے اور فوج در فوج لوگ بیعت کریں گے۔ اور باوجود دشمنوں کی سخت مخالفت کے رجوع خلائق میں فرق نہیں آئے گا بلکہ اس قدر لوگوں کو[1] کثرت ہوگی کہ قریب ہوگا کہ وہ لوگ تھکا دیں کیا یہ انسان کے اختیار میں ہے؟ اور کیا ایسی پیشگوئی کوئی مکّار کر سکتا ہے۔ کہ چوبیس سال پہلے تنہائی اور بیکسی کے زمانہ میں اس عروج اور مرجع خلائق ہونے کی خبر دے؟ کتاب براہین احمدیہ جس میں یہ پیشگوئی ہے کوئی گمنام کتاب نہیں بلکہ وہ اس ملک میں مسلمانوں، عیسائیوں اور آریہ صاحبوں کے پاس بھی موجود ہے اور گورنمنٹ میں بھی موجود ہے۔ اگر کوئی اس

۵۳

[1] سہو کتابت سے "کی" کی بجائے "کو" لکھا گیا ہے سہو (ناشر)

عظیم الشان نشان میں شک کرے تو اس کو دنیا میں اس کی نظیر دکھلانا چاہیئے اور اس کے سوا اور بہت سے نشان ہیں جن سے اس ملک کو اطلاع ہے۔ بعض نادان جن کو حق کا قبول کرنا منظور ہی نہیں وہ ثابت شدہ نشانوں سے کچھ بھی فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ اور بے ہودہ نکتہ چینیوں سے گریز کی راہ ڈھونڈتے ہیں اور ایک دو پیشگوئیوں پر اعتراض کر کے باقی ہزارہا پیشگوئیوں اور کھلے کھلے نشانوں پر خاک ڈالتے ہیں افسوس کہ وہ جھوٹ بولتے وقت ایک ذرہ خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اور افترا کے وقت آخرت کے مؤاخذہ کو یاد نہیں کرتے۔ مجھے ضرورت نہیں کہ اُن کے افتراؤں کی تفصیل بیان کر کے سامعین کو اُن کے سب حالات سُناؤں۔ اگر اُن میں تقویٰ ہوتا اگر اُن میں ایک ذرہ خدا تعالیٰ کا خوف ہوتا تو خدا کے نشانوں کی تکذیب میں جلدی نہ کرتے اور اگر بفرض محال کوئی نشان اُن کو سمجھ میں نہ آتا تو انسانیت اور نرمی سے اُس کی حقیقت مجھ سے پُوچھ لیتے ایک بڑا اعتراض اُن کا یہ ہے کہ آتھم میعاد کے اندر نہیں مرا۔ اور احمد بیگ اگرچہ پیشگوئی کے مطابق مر گیا مگر داماد اس کا جو اسی پیشگوئی میں داخل تھا نہ مرا۔ یہ ان لوگوں کا تقویٰ ہے کہ ہزارہا ثابت شدہ نشانوں کا تو ذکر تک منہ پر نہیں لاتے اور ایک دو پیشگوئیاں جو اُن کی سمجھ میں نہ آئیں بار بار اُن کو ذکر کرتے ہیں اور ہر ایک مجمع میں شور ڈالتے ہیں۔ اگر خدا کا خوف ہوتا تو ثابت شدہ نشانوں اور پیشگوئیوں سے فائدہ اُٹھاتے۔ یہ طریق راست باز انسانوں کا نہیں ہے کہ کھلے کھلے معجزات سے مُنہ پھیر لیں اور اگر کوئی دقیق امر ہو تو اُس پر اعتراض کر دیں۔ اس طرح پر تو تمام انبیاء پر اعتراضات کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور آخر کار اس طبیعت کے لوگوں کو سب سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ مثلاً حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے صاحب معجزات ہونے میں کیا کلام ہے مگر ایک شریر مخالف کہہ سکتا ہے کہ اُن کی بعض پیشگوئیاں جھوٹی نکلیں جیسا کہ اب تک یہودی کہتے ہیں کہ یسوع مسیح کی کوئی بھی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ اُس نے کہا تھا کہ میرے

۵۴

بارہ حواری بارہ تختوں پر بہشت میں بیٹھیں گے مگر وہ بارہ کے گیارہ رہ گئے۔ اور ایک مرتد ہو گیا۔ اور ایسا ہی اُس نے کہا تھا کہ اس زمانہ کے لوگ نہیں مریں گے جب تک کہ میں واپس آجاؤں۔ حالانکہ وہ زمانہ کیا اٹھارہ صدیوں کے لوگ قبروں میں جا پڑے اور وہ اب تک نہیں آیا اور اُسی زمانہ میں اُس کی پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ اور اُس نے کہا تھا کہ میں یہودیوں کا بادشاہ ہوں مگر کوئی بادشاہت اُس کو نہ ملی۔ ایسے ہی اور بہت اعتراض ہیں۔ ایسا ہی اِس زمانہ میں بعض ناپاک طبع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض پیشگوئیوں پر اعتراض کرکے کل پیشگوئیوں سے انکار کرتے ہیں۔ اور بعض حدیبیہ کے قصہ کو پیش کرتے ہیں۔ اب اگر ایسے اعتراض تسلیم کے لائق ہیں تو مجھے ان لوگوں پر کیا افسوس مگر یہ خوف ہے کہ اس طریق کو اختیار کرکے کہیں اسلام کو ہی الوداع نہ کہہ دیں۔ تمام نبیوں کی پیشگوئیوں میں ایسا ہی میری پیشگوئیوں میں بعض اجتہادی دخل بھی ہوتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حدیبیہ کے سفر میں بھی اجتہادی دخل تھا۔ تب ہی تو آپ نے سفر کیا۔ مگر وہ اجتہاد صحیح نہ نکلا۔ نبی کی شان اور جلالت اور عزت میں اس سے کچھ فرق نہیں آتا کہ کبھی اس کے اجتہاد میں غلطی بھی ہو۔ اگر کہو کہ اس سے امان اُٹھ جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کثرت کا پہلو اس امان کو محفوظ رکھتا ہے۔ کبھی نبی کی وحی خبر واحد کی طرح ہوتی ہے اور مع ذالک مجمل ہوتی ہے۔ اور کبھی وحی ایک امر میں کثرت سے اور واضح ہوتی ہے۔ پس اگر مجمل وحی میں اجتہاد کے رنگ میں کوئی غلطی بھی ہو جائے تو بیّنات محکمات کو اس سے کچھ صدمہ نہیں پہنچتا۔ پس میں اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ کبھی میری وحی بھی خبر واحد کی طرح ہو اور مجمل ہو اور اس کے سمجھنے میں اجتہادی رنگ کی غلطی ہو۔ اِس بات میں تمام انبیاء شریک ہیں۔ لعنت اللہ علی الکاذبین۔ اور ساتھ اس کے یہ بھی ہے کہ وعید کی پیشگوئیوں میں خدا پر فرض نہیں ہے کہ اُن کو ظہور میں لاوے۔ یونس کی پیشگوئی اس پر شاہد ہے اس پر تمام انبیاء کا

ص۵۹

اتفاق ہے کہ خدا کے ارادے جو وعید کے رنگ میں ہوں۔ صدقہ اور دُعا سے ٹل سکتے ہیں پس اگر وعید کی پیشگوئی ٹل نہیں سکتی تو صدقہ اور دُعا لاحاصل ہے۔

اب ہم اس تقریر کو ختم کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں جس نے باوجود علالت اور ضعفِ جسمانی کے اس کے لکھنے کی ہمیں توفیق دی۔ اور ہم جناب الٰہی میں دُعا کرتے ہیں کہ اس تقریر کو بہتوں کے لئے موجب ہدایت کرے اور جیسا کہ اس مجمع میں ظاہری اجتماع نظر آ رہا ہے ایسا ہی تمام دلوں میں ہدایت کے سلسلہ میں باہم ربط اور محبت پیدا کر دے اور ہر ایک طرف ہدایت کی ہوا چلا دے۔ بغیر آسمانی روشنی کے آنکھیں کچھ نہیں دیکھ سکتیں سو خدا آسمان سے روحانی روشنی کو نازل کرے تا آنکھیں دیکھ سکیں اور غیب سے ہوا پیدا کرے تا کان سُنیں۔ کون ہے جو ہماری طرف آسکتا ہے مگر وہی جس کو خدا ہماری طرف کھینچے۔ وہ بہتوں کو کھینچ رہا ہے اور کھینچے گا۔ اور کئی قفل توڑے گا۔ ہمارے دعوےٰ کی جڑھ حضرت عیسیٰؑ کی وفات ہے۔ اس جڑھ کو خدا اپنے ہاتھ سے پانی دیتا ہے اور رسول اس کی حفاظت کرتا ہے۔ خدا نے قول سے اور اُس کے رسول کے فعل سے یعنی اپنی چشم دید رؤیت سے گواہی دی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے اور آپ نے معراج کی رات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فوت شدہ ارواح میں دیکھ لیا ہے مگر افسوس کہ پھر بھی لوگ اُن کو زندہ سمجھتے ہیں۔ اور انکو ایسی خصوصیت دیتے ہیں جو کسی نبی کو خصوصیت نہیں دی گئی۔ یہی امور ہیں جن سے حضرت مسیح کی الوہیت کو عیسائیوں کے زعم میں قوت پہنچتی ہے اور بہت سے کچے آدمی ایسے عقائد سے ٹھوکر کھاتے ہیں۔ ہم گواہ ہیں کہ خدا نے ہمیں خبر دی ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام فوت ہو گئے۔ اب اُن کے زندہ کرنے میں دین کی ہلاکت ہے۔ اور اس خیال میں مگنا خواہ نخواہ کی خاک بیزی ہے۔ اسلام میں پہلا اجماع یہی تھا کہ کوئی نبی گذشتہ نبیوں میں سے زندہ نہیں ہے۔ جیسا کہ آیت ما محمّدٌ الّا رسول

قد خلت من قبلہ الرسل سے ثابت ہے۔ خدا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بہت بہت اجر دے جو اس اجماع کا موجب ہوئے۔ اور منبر پر چڑھ کر اس آیت کو پڑھ سنایا۔

اخیر پر ہم گورنمنٹ انگریزی کا سچے دل سے شکر کرتے ہیں جس نے اپنی کشادہ دلی سے ہمیں مذہبی آزادی عطا فرمائی۔ یہ آزادی جس کی وجہ سے ہم نہایت ضروری دینی علوم کو لوگوں تک پہنچاتے ہیں یہ ایسی نعمت نہیں ہے جس کی وجہ سے معمولی طور پر ہم اس گورنمنٹ کا شکر کریں بلکہ نہ دل سے شکر کرنا چاہیئے اگر یہ گورنمنٹ عالیہ ہمیں کئی لاکھ کی جاگیر دیتی مگر یہ آزادی نہ دیتی تو ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ وہ جاگیر اُس کے برابر نہ تھی۔ کیونکہ دنیا کا مال فانی ہے۔ مگر یہ وہ مال ہے جس کو فنا نہیں۔ ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ اس محسن گورنمنٹ کے سچے دل سے شکرگذار رہیں۔ کیونکہ جو انسان کا شکر نہیں کرتا وہ خدا کا بھی نہیں کرتا۔ نیک انسان وہی ہے کہ جیسے خدا تعالٰے کا شکر کرتا ہے اس انسان کا بھی شکر کرے جس کے ذریعہ اس منعم حقیقی کی کوئی نعمت اُس کو پہنچی ہے۔ وَالسَّلَام عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

ص۵۸

الراقم میرزا غلام احمد قادیانی

یکم نومبر ۱۹۰۴ء روز سہ شنبہ

سیالکوٹ

حکم است ز آسماں بزمیں مے رسانمش
گر بشنوم نہ گویمش آزا کجا برم

مامورم و مرا چہ دریں کار اختیار | رد ایں سخن بگو بخداوند آمرم
اے حسرت ایں گروہِ عزیزاں مرا ندید | وقتے بہ بینیدم کہ ازیں خاک بگذرم
ہر شب ہزار غم بمن آید ز دردِ قوم | یارب نجات بخش ازیں روز پر شرم
بعد از ہمہ ہر آنچہ پسندند ہیچ نیست | بد قسمت آنکہ در نظرش ہیچ محترم
بعد از خدا بہ عشقِ محمدؐ مخمرم | گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم
جانم گداخت از غم ایمانت اے عزیز | ویں طرفہ تر کہ من بگمان تو کافرم
یارب بآب چشم من ایں کِسلِ شاں بشو | کامروز تر شدست ازیں درد بسترم

جانم فدا شود برہِ دینِ مصطفٰے!
این است کام دل اگر آید میسّرم